کلیات اکبر الہ آبادی

از

اکبر الہ آبادی

حصہ اول

کلیات اکبر الہ آبادی

از

اکبر الہ آبادی

حصہ اول

گذارش

کلیات اکبر، حصہ اول کا جو مطبوعہ نسخہ اس وقت میرے پاس ہے۔ اس میں دور سوم پہلے ہے اور دورِ دوم دور سوم کے بعد ہے۔ اور دورِ اول دوم کے بعد۔ شروع سے یہی ترتیب چلی آتی تھی۔ اور کہتے ہیں کہ خود حضرت اکبرؒ نے یہ ترتیب رکھی تھی۔

ابتدائی کلام کو شاید کم زور سمجھ کر آخر میں ڈال دیا ہوگا لیکن اب اس کی ضرورت نہیں ہے اب حضرت اکبر کا ہر شعر کیا، ہر فقرہ تبرک بن گیا ہے۔

عزت مآب جناب چوہدری نذیر احمد خاں صاحب وزیر صنعت پاکستان و صدر بزم اکبر کا مشورہ اور ایما لے کر میں نے دور کو دورِ اول کی جگہ کر دیا ہے اور دور سوم کو دور سوم کی جگہ۔

محترم چوہدری صاحب اسے پسند فرماتے ہیں کہ حضرت اکبر کے کلام کی درجہ بہ درجہ ترقی ظاہر ہو جائے۔ چنانچہ دورِ اول میں آپ عمر کا لحاظ بھی دیکھیں گے۔

دورِ اول کو دس حصوں میں تقسیم کیا ہے سترہ اور اٹھارہ سال عمر کی غزلیں انیس اور بیس سال عمر کی غزلیں، اکیس سال عمر کی غزلیں وغیرہ وغیرہ۔ تیس سال عمر تک کی غزلوں پر دورِ اول مشتمل ہے۔ کچھ غزلیں پچیس اور چھبیس سال عمر کی حضرت اکبر نے دورِ دوم میں بھی درج کی ہیں۔ میں نے انہیں نہیں ہلایا۔ اور وہیں رہنے دیا ہے دورِ دوم جوں کا توں ہے۔

دور سوم میں بھی اس سے زیادہ کوئی ردو بدل نہیں ہے کہ دور سوم کی جگہ چلا گیا ہے۔

جلد اول میں جس قدر رباعیاں قطعے، قصیدے، مرثیے، منظوم خطوط اور قسم قسم کا دوسرا منظوم کلام ہے، سب اپنے اپنے حال پر باقی ہے۔ فقط اتنا فرق کہیں کہیں کر دیا ہے کہ حروف تہجی کی ترتیب کا خیال کر لیا ہے.......... اور ہاں ظرافت کا لفظ اڑا دیا ہے۔

حضرت اکبرؒ اپنی حکیمانہ بزلہ سنجیوں کو خود ظرافت فرما سکتے تھے۔ لیکن ناظرین سے درخواست ہے کہ ان بزلہ سنجیوں میں حکمت کی تلاش کریں۔

یہ امر بھی محترم چوہدری صاحب کی ہدایت کے مطابق ہے۔

کلیات کی چاروں جلدیں شائع ہو جائیں۔ پھر انشاء اللہ حضرت اکبرؒ کے خطوط اور حضرت اکبرؒ کی سوانح حیات اور حضرت اکبرؒ کے متعلق اب تک جتنے مقالے اور نظمیں چھپ چکی ہیں پیش کروں گا۔

اپنے نام کے خطوط پر حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے حاشیے لکھے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی بھی غالباً اپنے نام کے خطوط پر حاشیے تحریر فرمائیں گے۔ آج کل وہ مقالے مرتب کر رہے ہیں۔ نظموں کی ترتیب کا کام جناب اختر انصاری اکبرآبادی نے اپنے ذمہ لیا ہے۔

مُرتب

دورِ اوّل

۱۸۶۲ء تا ۱۸۷۵ء

سترہ سے تیس سال عمر تک

کی

غزلیں

۱۸۶۲ء ۱۸۶۳ء

سترہ اور اٹھارہ سال عمر کی غزلیں

(۱)
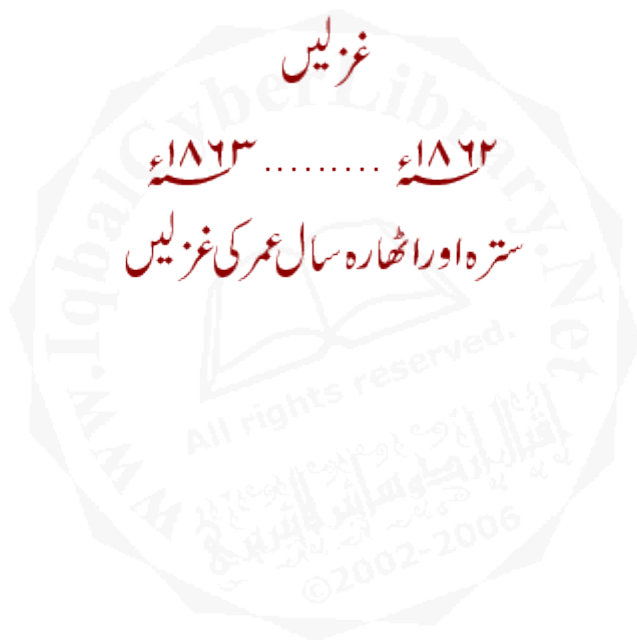
چشم عاشق سے گریں لخت دل بیتاب و اشک
آپ یوں دیکھیں تماشہ جاں کر سیماب و اشک
اپنے دامن پر گرا کر کیوں اسے کرتے خراب
جانتے یکساں اگر ہم گوہر نایاب و اشک

(۲)

جانب زنجیر گیسو پھر کھنچا جاتا ہے دِل
دیکھئے اب میرے سر پر کیا بلا لاتا ہے دِل
لوگ کیوں کر چھوڑ دیتے ہیں محبت دفعتاً
میں تو جب یہ قصد کرتا ہوں مچل جاتا ہے دِل
رکھ کے تصویرِ خیالی یار کی پیش نظر
رات بھر مجھ کو شب فرقت میں تڑپاتا ہے دِل
داغ ہائے سینہ گل ہیں آہِ سرد اپنی نسیم
گلشن ہستی میں کیا اچھی ہوا کھاتا ہے دِل
بارگاہ عشق کہئے تیرے دولت خانہ کو
جو کوئی آتا ہے یاں تجھ سے لگا جاتا ہے دِل
خوف کے پردے میں چھپ جاتی ہے جانِ ناتواں
عاشقی کے معرکہ میں کام آجاتا ہے دِل
ساتھ ساتھ اپنے جنازے کے یہ چلاتی تھی روح
ان کو مٹی میں ملانے کے لیے جاتا ہے دِل

شیخ اگر کعبہ میں خوش ہے برہمن بُت خانہ میں
اپنے اپنے طور پر ہر شخص بہلاتا ہے دِل
قصد کرتا ہوں جو اُٹھنے کا تو فرماتے ہیں وہ
اور بیٹھو دو گھڑی صاحب کہ گھبراتا ہے دِل
یہ نہیں کہتے یہیں رہ جاؤ اب تم رات کو
بس انہیں باتوں سے اکبر میرا جل جاتا ہے دِل

(۳)

لکھتے ہیں کلکِ تصور سے ترے نام کو ہم
کام میں لاتے ہیں لوحِ دلِ ناکام کو ہم
بادہ نوشی میں بسر کرتے ہیں ایام کو ہم
خط تقدیر سمجھتے ہیں خطِ جام کو ہم
شکل اس شوخ کی آنکھوں میں پھرا کرتی ہے
آنکھیں دکھلاتے ہیں اب گردشِ ایام کو ہم
نظر آتی ہے جو گلزار میں پھولوں کی بہار
یاد کرتے ہیں حسینانِ گل اندام کو ہم
آبِ حیواں کا اثر بادۂ گلرنگ میں ہے
لبِ جاں بخش سمجھتے ہیں لبِ جام کو ہم
گردشِ چشمِ حسیناں کا نہ کہئے احوال
جانتے ہیں اثرِ گردشِ ایام کو ہم
ایک دِن تم کو لبِ گور سے سُنوا دیں گے

کہہ نہیں سکتے ابھی عشق کے انجام کو ہم
رہتی ہے کارِ دو عالم سے ہمیں وحشت سی
نہیں معلوم یہاں آئے ہیں کس کام کو ہم
رہ چکے ہیں جو کبھی فصلِ بہاری اسیر
کانپ کانپ اُٹھتے ہیں جب دیکھتے ہیں دام کو ہم

(۴)

اجل سے وہ ڈریں جینے کو جو اچھا سمجھتے ہیں
یہاں ہم چار دن کی زندگی کو کیا سمجھتے ہیں
ہمیں ہے خاکساری میں بھی ڈر محسور ہونے کا
اُسے بھی ہم غبارِ خاطرِ اعدا سمجھتے ہیں
کوئی کیا سمجھے الطافِ خفی انکارِ جاناں کے
یہ رمزِ لن ترانی حضرتِ موسیٰؑ سمجھتے ہیں
تمہاری ناخوشی کا ڈر ہمیں مجبور رکھتا ہے
نہیں تو اے صنم اغیار کو ہم کیا سمجھتے ہیں
یقین کفار کو آتا نہیں روزِ قیامت کا
اُسے بھی وہ تمہارا وعدۂ فروا سمجھتے ہیں
جنوں زائل ہوا ہوش آ گیا صحت ہوئی ہم کو
بڑے عیار ہو تم اب تو ہم اتنا سمجھتے ہیں
کس و ناکس سے کیوں سرگوشیاں کرتے ہو محفل میں
خبر بھی ہے کہ لوگ اپنے دلوں میں کیا سمجھتے ہیں

رہے سرسبز گلشن ان کی بزم عیش و عشرت کا
نکل جاؤں میں مجھ کو اگر کانٹا سمجھتے ہیں

نگاہوں کے اشارے سے جو حکم اُٹھنے کا ہوتا ہے
مجھے بھی آپ کیا درد دل شیدا سمجھتے ہیں

میں اپنے نقد دل سے جنس الفت مول لیتا ہوں
اطبا کو ذرا دیکھو اسے سودا سمجھتے ہیں

اسے ہم آخرت کہتے ہیں جو مشغول حق رکھے
خدا سے جو کرے غافل اسے دنیا سمجھتے ہیں

نثار اپنے تصور کے کہ جس کے فیض سے ہر دم
جو ناپیدا ہے نظروں سے اسے پیدا سمجھتے ہیں

وہ ہم کو کچھ نہ سمجھیں اے رقیبو اختیار ان کا
یہ تم کیوں ناخوش ہو اتنے وہ تمہیں کیا سمجھتے ہیں

یہی رُخ ہے کہ جس پر پھول کا اطلاق ہوتا ہے
یہی آنکھیں ہیں جن کو نرگسِ شہلا سمجھتے ہیں

تُو وہ برقِ تجلّی ہے کہ تیرے دیکھنے والے
ترے نقشِ کفِ پا کو یدِ بیضا سمجھتے ہیں

غزل اِک اور پڑھئے آج ایسے رنگ میں اکبر
کہ اربابِ بصیرت جس کو عبرت زا سمجھتے ہیں

﴿۵﴾

جو اپنی زندگانی کو حباب آسا سمجھتے ہیں
نفس کی موج کو موجِ لبِ دریا سمجھتے ہیں

گواہی دیں گے روزِ حشر یہ سارے گناہوں کی
سمجھتا میں نہیں لیکن مِرے اعضا سمجھتے ہیں

شریکِ حال دُنیا میں نظر آتا نہیں کوئی
فقط اک بے کسی ہے جس کو ہم اپنا سمجھتے ہیں

جو ہیں اہل بصیرت اِس تماشہ گاہ ہستی میں
طلسمِ زندگی کو کھیل لڑکوں کا سمجھتے ہیں

معرّا ہوں ہُنر سے میں سراپا عیب ہوں اکبر
عنایت ہے احبا کی اگر اچھا سمجھتے ہیں

﴿۶﴾

شوقِ نظارہ کبھی دل سے نکلتا ہی نہیں
جی ہمارا بے ترے دیکھے بہلتا ہی نہیں

چین سے ہو بیٹھنا کیوں کر نصیب اے ہم نشین
جوشِ وحشت سے مزاج اپنا سنبھلتا ہی نہیں

وصل کے ایام میں کیا کیا دکھائے اِنقلاب
ہجر میں رنگِ فلک اب تو بدلتا ہی نہیں

کس غضب کا ہے معاذ اللہ طولِ روز ہجر
حشر مجھ پر ہوگیا لیکن یہ ڈھلتا ہی نہیں

ہر قدم پر دل پڑے ہیں حسرت پامال میں
اب زمین پر پاؤں رکھ کر یار چلتا ہی نہیں

چند روز آیا تھا میری قبر پر وہ شعلہ رو
اب تو مدت سے چراغ گور جلتا ہی نہیں

ہم نے چاہا تھا نہ ہو لیکن ہوئی صبح فراق
موت کا جب وقت آجاتا ہے ٹلتا ہی نہیں

بوسہ کیسا گالی دینے میں بھی ان کو بخل ہے
اِن لبوں سے کام اپنا کچھ نکلتا ہی نہیں

صورت پروانہ جل کر خاک بھی میں ہوگیا
دل ترا اَے شمع رُو لیکن پگھلتا ہی نہیں

نخلِ حسرت وُہ ہوں میں جس کو یکساں چار فصل
وہ شجر ہُوں باغِ عالم میں جو پھلتا ہی نہیں

وہ تمنا ہوں جو رہتی ہے ہمیشہ جی کے ساتھ
حوصلہ وہ ہوں جو دنیا میں نکلتا ہی نہیں

رنگ وہ ہوں جو زمانے کے ہے باہر رنگ سے
وہ زمانہ ہوں جو رنگ اپنا بدلتا ہی نہیں

شوق وہ ہوں وسعت دل جس کے آگے تنگ ہے
حرفِ مطلب وہ ہوں جو مُنہ سے نِکلتا ہی نہیں

دِل وہ ہوں جس میں چُبھے ہیں خارِ حسرت سیکڑوں
خار حسرت وہ ہوں جو دِل سے نکلتا ہی نہیں

نقد سَودا وُہ ہوں جو رائج نہیں بازار

سلسلہ داغِ جنوں وہ ہوں جو چلتا ہی نہیں

اُنیس اور بیس سال عمر کی غزلیں

(۱۸۶۵__________۱۸۶۴)

﴿۷﴾

سُنتا اے ہوں چمن میں تری زمزمہ سنجی
یاد آتی ہے بُلبل مجھے تقریر کسی کی

﴿۸﴾

بے تکلف بوسۂ زُلفِ چلیپا لیجئے
نقدِ دل موجود ہے پھر کیوں نہ سَودا لیجئے

دل تو پہلے لے چُکے اب جان کے خواہاں ہیں آپ
اِس میں بھی مجھ کو نہیں اِنکار اچھا لیجئے

پاؤں پڑ کر کہتی ہے زنجیر زنداں میں رہو
وحشتِ دِل کا ہے ایما راہِ صحرا لیجئے

غیر کر تو کرکے ضِد کرتے ہیں کھانے میں شریک
مجھ سے کہتے ہیں اگر کچھ بھوک ہو کھا لیجئے

خوشنما چیزیں ہیں بازار جہاں میں بے شمار
ایک نقد دل سے یا رب مول کیا کیا لیجئے

کشتہ آخر آتشِ فرقت سے ہونا ہے مجھے
اور چندے صورتِ سیماب تڑپا لیجئے

فصلِ گل کے آتے ہی اکبر ہوئے بیہوش آپ
کھولئے آنکھوں کو صاحب جامِ صہبا لیجئے

۹

تصور سے غمِ فرقت کے اپنا جی دہلتا ہے

کہ یہ کم بخت آخر سینے سے دم لے کر ٹلتا ہے

خدا کی شان وہ میرا تڑپنا دِل لگی سمجھیں

کسی کی جان جاتی ہے کسی کا جی بہلتا ہے

خیالِ زُلف میں اے دل نہ طے کر منزلِ اُلفت

اندھیری رات میں نادان کوئی راہ چلتا ہے

وہ جُوں جُوں ہوتے ہیں ہشیار بڑھتی ہے مِری وحشت

سنبھالیں ہوش وہ اپنا یہاں دل کب سنبھلتا ہے

مریضِ غم کیا کرتا ہے ضبطِ نالہ ہمت سے

مگر منہ زور ہو جاتا ہے جب کروٹ بدلتا ہے

وصالِ یار کا وعدہ ہے کل اور آج موت آئی

کریں کیا اب مقدر پر کسی کا زور چلتا ہے

کیا کرتا ہوں موزوں وصف اُن کے رُوئے روشن کا

مِرا ہر شِعر اکبر نور کے سانچہ میں ڈھلتا ہے

۱۰

شاعری رنگ طبیعت کا دکھا دیتی ہے

بُوئے گل راہ گلستان کی بتا دیتی ہے

سیر غُربت کوئی جلسہ جو دکھا دیتی ہے

یادِ احباب وطن مجھ کو رُلا دیتی ہے

بے خودی پر وہ کثرت جو اُٹھا دیتی ہے
ہر طرف جلوۂ توحید دِکھا دیتی ہے
آمدِ یاس پہ ہو قہر خدا کا نازل
رہرِ وِمنزل اُلفت کو ڈرا دیتی ہے
ہو نہ رنگین طبیعت بھی کسی کی یا رب
آدمی کو یہ مُصیبت میں پھنسا دیتی ہے
نگہِ لُطف تری بادِ بہاری ہے مگر
غنچۂ خاطرِ عاشق کو کھلا دیتی ہے
اچھی صورت میں بھی خالقِ نے بھرا ہے جادو
اپنے مشتاق کو دیوانہ بنا دیتی ہے
پوچھتا ہوں میں جو عبرت سے مآل ہستی
راستہ گورِ غریباں کا بتا دیتی ہے
نظر آتا جو نہیں نزع میں بالیں پہ کوئی
بے کسی اُن کے تغافل کو دعا دیتی ہے
کیا صفائی رُخِ جاناں کی ہے اللہ اللہ
دیکھنے والوں کو آئینہ بنا دیتی ہے
دشمن اہلِ نظر ہے نگہ حسن پرست
الفتِ پاک کو بھی عیب لگا دیتی ہے
موت سے کوئی نہ گھبرائے اگر یہ سمجھے
کہ یہ دنیا کے بکھیڑوں سے چھڑا دیتی ہے
بدسلوکی کی تری لاتی ہے خرابی مجھ پر

میری تقدیر کو الزام لگا دیتی ہے

نگہِ شوق سے کیوں کر نہ گلوں کو دیکھوں

ان کی رنگت ترے عارض کا پتہ دیتی ہے

قید ہستی ہے غبار رُخ آئینہ روح

جانِ مشتاق کو جاناں سے چھڑا دیتی ہے

کشتہ ہوں مرگِ حسیناں کی میں بے دردی کا

خاک میں چاند سی صورت کو ملا دیتی ہے

فکرِ اکبر گلِ مضموں کا دِکھا کر جلوہ

محفل شِعر میں رنگ اپنا جما دیتی ہے

11

زیر گیسو رُوئے روشن جلوہ گر دیکھا کئے

شانِ حق سے ایک جا شام و سحر دیکھا کئے

گل کو خنداں بلبلوں کو نوحہ گر دیکھا کئے

باغِ عالم کی دورنگی عمر بھر دیکھا کئے

جُنبشِ ابرو ہی کافی تھی ہمارے قتل کو

آپ تو ناحق سوئے تیغ و تبر دیکھا کئے

صبر کر بیٹھے تھے پہلے ہی سے ہم تو جانِ زار

عشق نے جو کچھ دکھایا بے خطر دیکھا کئے

دیکھئے اب کیا دکھائے قسمتِ بدبعد مرگ

رنج و اندوہ و الم تو عمر بھر دیکھا کئے

خواب غفلت سے نہ چونکے اہلِ عالم ہے غضب
گو بہت نیرنگیِ شام و سحر دیکھا کیے

حسرت و حرمان و اندوہ و غم و رنج و الم
جو دکھایا آسماں نے عمر بھر دیکھا کیے

وعدۂ شب پر گمانِ صدق سے سوئے نہ ہم
راہ اس پیماں شکن کی رات بھر دیکھا کیے

یاد میں رخسارِ تابانِ صنم کی رات بھر
دیدۂ حسرت سے ہم سُوئے قمر دیکھا کیے

﴿۱۲﴾

پیدا وہ جفا کے جو نئے ڈھنگ کریں گے
تیغِ نگہ ناز سے چورنگ کریں گے

کافی ہیں وہ مستانہ نگاہیں وہ خطِ سبز
اب ہم نہ کبھی شوقِ مے دبنگ کریں گے

ان کے دہنِ تنگ کا مضموں نہیں بندھتا
اب قافیہ شعر کو ہم تنگ کریں گے

کر لے گا جگہ مثلِ شرر جذبہ الفت
وہ سخت جو دل کو صفتِ سنگ کریں گے

دمسازوں سے ملنے بھی تو پائیں کبھی اے چرخ
آراستہ پھر بزم نے وچنگ کریں گے

نالے دِل پر داغ کو سِکھلائیں گے موزوں

طاؤس کو ہم مُرغ خوش آہنگ کریں گے

کچھ زمزمہ سنجی ہی پہ موقوف نہیں لطف

نالے بھی کریں گے تو خوش آہنگ کریں گے

ان سے تو کوئی صلح کی صورت نہیں بنتی

غیروں ہی سے دل کھولے کے اب جنگ کریں گے

میلے ہی حسینوں کے پری زادوں کے جمگھٹ

اب جا کے قیام اپنا لب گنگ کریں گے

راضی ہی نہ ہوں گے وہ کسی طور تو کیا بس

تقدیر سے پھر کہئے تو کیا جنگ کریں گے

ارشاد جو ہوتا ہے کہ لِکھ وصفِ دہن کچھ

معلوم ہوا آپ مجھے تنگ کریں گے

رنگینیِ مضموں جو دلِ صاف میں ہوگی

شیشہ میں گمان مےِ گلرنگ کریں گے

اکبر نہ ہو دمسازِ بُتاں بہر خدا تم!

دل دو گے تو وہ جان کا آہنگ کریں گے

۱۳

جب عشق کے نشہ میں چُور رہوئے کیوں کر کہیں نیک انجام رہے

مستوں کی طرح گلیوں میں پھرے رندی میں کٹی بدنام رہے

اب ہم تو خدا کے عنایت سے اے عہد شکن آزاد ہوئے

پھنس جائیں گے بہتوں کے طائرِ دل زلفوں کا سلامت دام رہے

ملنا جو نہ تھا قسمت میں لکھا تدبیروں سے کچھ حاصل نہ ہوا
ناموں کی ہوئی تحریر بہت اِک مدّت تک پیغام رہے

﴿۱۴﴾

منہ ترا دیکھ کے فق رنگِ گلستان ہو جائے
دیکھ کر زلف کو سُنبل بھی پریشاں ہو جائے

یادِ قامت میں جو میں نالہ و فریاد کروں
پیشتر حشر سے یاں حشر کا ساماں ہو جائے

جلوۂ مصحفِ رُخسار جو آ جائے نظر
حسرتِ بوسہ میں کافر بھی مسلماں ہو جائے

آپ کے فیضِ قدم سے ہو بیاباں گلزار
باغ میں جائے تو گلشنِ رضواں ہو جائے

نازو انداز و ادا سے جو چلیں چال حضور
جس جگہ پاؤں پڑے گنجِ شہیداں ہو جائے

آفتِ گردشِ افلاک سے پاؤں جو نجات
گردشِ چشم مجھے گردشِ دوراں ہو جائے

آپ دکھلائیں جو اپنے رُخِ رنگین کی بہار
بو کے مانند ہوا رنگِ گلستاں ہو جائے

لاغر اس درجہ ہوا ہوں کہ جو لیٹوں میں کبھی
تارِ بستر مجھے وسعت میں بیاباں ہو جائے

حسرتیں اِس میں ہوا کرتی ہیں اکثر مدفوں

کیا عجب خانۂ دل گورِ غریباں ہو جائے

﴿۱۵﴾

شباب جوش پہ ہے ولولے ہیں جو بن کے
کبھی وہ جھوم کے چلتے ہیں اور کبھی تن کے

جب اُن کو رحم کچھ آیا حیا نے سمجھایا
بگڑ بگڑ گئی تقدیر میری بن بن کے

مریضِ غم کو ڈرایا کرے نہ پھر اتنا
قضا جو دیکھ لے تیور تمہاری چتون کے

نگاہِ ناز سے سارا زمانہ بسمل ہے
ہمیں شہید نہیں تیری ترچھی چتون کے

کمر پہ یار کی رہتا ہے قبضۂ خنجر
شہید ہم تو ہوئے رشک بخت آہن کے

﴿۱۶﴾

اِن دنوں یار کے کچھ ذہن نشیں اَور بھی ہے
جانتا ہے کہ نشست ان کی کہیں اَور بھی ہے

ایک دل تھا سو دیا اور کہاں سے لاؤں
جھوٹ کہیئے تو میں کہہ دوں کہ نہیں اور بھی ہے

ناز بے جا نہ کیا کیجئے ہم سے اتنا
اِسی انداز کا اک یار حسیں اور بھی ہے

غم فرقت میں بھی آتی نہیں اَے چرخ جو موت

کیا کوئی صدمہ لئے جانِ حزیں اور بھی ہے

کہیو اس غیرت لیلیٰ سے یہ پیغام صبا
پہلوئے قیس میں اِک دشت نشیں اور بھی ہے

جان دیتا جو ہو لازم ہے اُسے دم دینا
تمھیں بتلاؤ یہ دستور کہیں اور بھی ہے

میرے بلوانے کا اِحسان جتاؤ نہ بہت
مہرباں ایک بت پردہ نشیں اور بھی ہے

اِن ردیفوں میں غزل کیوں نہ ہو دُشوار اکبر
ناتراشیدہ کوئی ایسی زمین اور بھی ہے

۱۷

اَے خوفِ مرگ دل میں جو اِنساں کے تو رہے
پھر کچھ ہوس رہے نہ کوئی آرزو رہے

فِتنہ رہے فساد رہے، گفتگو رہے
منظور سب مجھے جو مِرے گھر میں تو رہے

زُلفیں ہٹانی چہرۂ رنگیں سے کیا ضرور
بہتر ہے مشک کی گُل عارض میں بُو رہے

ہنگامِ نزع رُوح نے قابل سے یہ کہا
اِس خاکدانِ تیرہ میں بے آبُرو رہے

اب تک ترے سبب سے رہے ہم بلانصیب
اب تابہ حشر گور کے پہلو میں تُو رہے

یہ اشکِ انفعال نہ خالی اثر سے ہوں
یا رب ہمارے موتیوں کی آبرُو رہے

بلبل رہا ہے طائرِ دل اس میں عمر بھر
سر سبز حشر تک چمنِ آرزو رہے

اے چشم عین بزم میں رونا ہے خوب
وہ بات کر کہ جس میں تری آبرُو رہے

پیرِ مغاں کا سِلسلہ دیکھے جو مُحتسِب
امیدوارِ بیعتِ دستِ سبو رہے

ہر دم یہ اِنتظار کا ایما ہے ہجر میں
آنکھوں میں جائے اشک جگر کا لہو رہے

احباب کیا کریں گے ٹھہر کر مزار پر
بالیں پہ خاک اڑانے کو ہاں آرزو ہے

خاطر تو تم نے آج بہت کی مگر حضور
کل پھر یہی نِگاہ یہی گفتگو رہے

﴿۱۸﴾

ہر چند دل سے یار کے جاتا نہیں غبار
رونے سے عاشقوں میں مِری آبرُو تو ہے

ہوں میں تو رند مجھ کو تکلف سے کام کیا
پیمانہ ساقیا جو نہیں ہے سبُو تو ہے

ہر چند میں غریب ہوں گو کچھ نہیں ہے پاس

لیکن ہزار دولتوں سے بڑھ کے تُو تو ہے

ہم خوش رہیں بھلا دلِ نالاں سے کِس طرح
ہو آپ کا یہ دوست ہمارا عدُو تو ہے

ونده جو تیرے ہجر میں ہوں تو کیا عجب
گو تو نہیں ہے پاس تِری آرزو تو ہے

مجھ کو تو دیکھ لینے سے مطلب ہے ناصحا
بدخُو اگر ہے یار تو ہو خوب رُو تو ہے

﴿۱۹﴾

جذبۂ دل نے مِرے تاثیر دِکھلائی تو ہے
گھنگروؤں کی جانبِ در کچھ صدا آئی تو ہے

عِشق کے اظہار میں ہر چند رُسوائی تو ہے
پر کروں کیا اب طبیعت آپ پر آئی تو ہے

آپ کے سر کی قسم میرے سوا کوئی نہیں
بے تکلف آیئے کمرہ میں تنہائی تو ہے

جب کہا میں نے تڑپتا ہے بہت اب دل مرا
ہنس کے فرمایا تڑپتا ہوگا سودائی تو ہے

دیکھئے ہوتی ہے کب راہی سُوئے ملکِ عدم
خانۂ تن سے ہماری رُوح گھبرائی تو ہے

دل دھڑکتا ہے مِرا لوں بوسۂ رُخ یا نہ لوں
نیند میں اس نے دُلائی منہ سے سرکائی تو ہے

دیکھیے کب تک نہیں آتی گلِ عارض کی یاد
سیرِ گلشن سے طبیعت ہم نے بہلائی تو ہے

میں بلا میں کیوں پھنسوں دیوانہ بن کر اس کے ساتھ
دل کو وحشت ہو تو ہو کم بخت سودائی تو ہے

خاک میں دل کو ملایا جلوۂ رفتار سے
کیوں نہ ہو اے نوجواں اک شانِ رعنائی تو ہے

یُوں مروّت سے تمہارے سامنے چُپ ہو رہیں
کل کے جلسوں کی مگر ہم نے خبر پائی تو ہے

بادۂ گلرنگ کا ساغر عنایت کر مجھے
ساقیا تاخیر کیا ہے اب گھٹا چھائی تو ہے

جس کی اُلفت پر بڑا دعویٰ تھا کل اکبر تمہیں
آج ہم جا کر اُسے دیکھ آئے ہرجائی تو ہے

۲۰

کیا ہی رہ رہ کے طبیعت مِری گھبراتی ہے
موت آتی ہے شبِ ہجر نہ نیند آتی ہے

وہ بھی چپ بیٹھے ہیں اغیار بھی چپ میں بھی خموش
ایسی صحبت سے طبیعت مری گھبراتی ہے

کیوں نہ ہو اپنی لگاوٹ کی نظر پر نازاں
جانتے ہو کہ دلوں کو یہ لگا لاتی ہے

بزمِ عشرت کہیں ہوتی ہے تو رو دیتا ہوں
کوئی گذری ہوئی صحبت مجھے یاد آتی ہے

اکیس سال عمر کی غزلیں

(۱۸۶۶ء)

یہ پہلی غزل ہے جو مشاعرے میں پڑھی گئی اور پبلک نے حضرت اکبر کا نوٹس لیا

(۲۱)

سمجھے وہی اس کو جو ہو دیوانہ کسی کا
اکبر یہ غزل میری ہے افسانہ کسی کا

دِکھلاتے ہیں بُت جلوۂ کسی کا
یاں کعبۂ مقصود ہے بُت خانہ کسی کا

گر شیخ و برہمن سُنیں افسانہ کسی کا
معبد نہ رہے کعبہ و بت خانہ کسی کا

اللہ نے دی ہے جو تمہیں چاند سی صورت
روشن بھی کرو جا کے سیہ خانہ کسی کا

اس کوچہ سے ہے گبر و مسلماں کو عقیدت
کعبہ جو کسی کا ہے تو بُت خانہ کسی کا

اشک آنکھوں میں آجائیں عوض نیند کے صاحب
ایسا بھی کسی شب سنو افسانہ کسی کا

جاں اپنی جو دی شمع کے شعلہ سے لپٹ کر
سمجھا رُخِ روشن اُسے پروانہ کسی کا

شمع رُخ روشن کا وہ جلوہ تو دکھائیں
ہے حوصلہ بھی صُورتِ پروانہ کسی کا

کیا برق کی شوخی مری آنکھوں میں سمائے
ہے پیشِ نظر جلوۂ مستانہ کسی کا
اُلفت مجھے اس سے ہے اسے غیر سے ہے عشق
میں شیفتہ اس کا ہوں وہ دیوانہ کسی کا
عشرت نہیں آتی جو مرے دل میں نہ آئے
حسرت ہی سے آباد ہے دیوانہ کسی کا
حیراں ہوں اُسے تابِ جمال آئے گی کیوں کر
بے خود ہے جو دل سن ہی کے افسانہ کسی کا
پہنچی جونگہ عالم مستی میں فلک پر
ہم سمجھے مہِ نو کو بھی پیانہ کسی کا
کرنے نہیں دیتے جو بیاں حالت دل کو
سننے گا لب گور سے افسانہ کسی کا
سامانِ تکلف نظر آئیں گے جو ہر سو
جنت میں بھی یاد آئے گا کاشانہ کسی کا
نالاں ہے اگر وہ تو یہ ہے چاک گریباں
بلبل کی طرح گل بھی ہے دیوانہ کسی کا
چشم و دل عاشق کا نہ کچھ پوچھیے احوال
وہ محو کسی کی ہے یہ دیوانہ کسی کا
تاثیر جو کی صحبت عارض نے دم خواب
خجلت وہ آئینہ ہوا شانہ کسی کا
کوئی نہ ہوا روح کا ساتھی دم آخر

کام آیا نہ اس وقت میں یارانہ کسی کا
کچھ دُور نہیں ساقیِ کوثرؐ کے کرم سے
بھر دے مئے وحدت سے جو پیانہ کسی کا
رکھتا ہے قدم کوچہ گیسو میں جو بے خوف
کیا تو دلِ صد چاک ہے اے شانہ کسی کا
تاثیر محبت سے جو ہو جاتے ہیں بے چین
رو دیتے ہیں اب سن کے وہ افسانہ کسی کا
احباب نے پوچھا جو مرا حال تو بولے
سنتے ہیں وہ ان روزوں ہے دیوانہ کسی کا
دیکھا ہے عجب رنگ کچھ اس دورِ فلک میں
کوئی نہیں اے ساقیِ مے خانہ کسی کا
یاں شیشۂ دل خون تمنا سے ہے لبریز
واں بادۂ گلفام سے پیانہ کسی کا
سب مست مئے شوق ہیں ان آنکھوں سے اے دل
اس دور میں خالی نہیں پیانہ کسی کا
بخشی ہے جبیں سائی کی در پر جو اجازت
واجب ہے مجھے سجدۂ شکرانہ کسی کا
اے حضرتِ ناصح نہ سُنے گا یہ تمہاری
میرا دلِ وحشی تو ہے دیوانہ کسی کا
کرتے وہ نگاہوں سے اگر بادہ فروشی
ہوتا نہ گذر جانبِ مے خانہ کسی کا

حسرت ہی رہی زُلفوں کے نظارے کی مجھ کو
یہ پنجۂ مژگاں نہ بنا شانہ کسی کا
کس طرح ہوا مائل گیسو نہیں معلوم
پابند نہ تھا یہ دلِ دیوانہ کسی کا
ہم جان سے بیزار رہا کرتے ہیں اکبر
جب سے دلِ بیتاب ہے دیوانہ کسی کا

﴿۲۲﴾

الفت جو کیجئے تو غرض آشنا سے کیا
وعدہ جو لیجئے تو بُتِ بے وفا سے کیا
مُوسیٰؑ نے کوہِ طور پہ باتیں خدا سے کیں
رُتبہ بشر کا دیکھئے ہوتا ہے کیا سے کیا
مرتا ہوں جان جاتی ہے اب ہجر میں مگر
اظہار اس کا کیجئے اُس بے وفا سے کیا
لطفِ چمن ہے بادۂ گلگوں ہے یا رہے
اب موسم بہار میں مانگوں خدا کیا
قاتل تمھیں کہیں گے جہاں میں ہمیں شہید
اے یار اور ہوگا تمہاری جفا سے کیا
دارِ فنا سے لے نہ چَے کچھ تو غم نہیں
فرمایئے تو، لائے تھے ملکِ بقا سے کیا
تیرے مریض غم کو جو کوئی اثر نہیں

کچھ کہہ دیا ہے آکے قضا نے دوا سے کیا

کیا کیا صنعت لکھی تری زلف دراز کی
مضمون ہاتھ آئے ہیں فکر رسا سے کیا

لیتا ہے یاں غم شب ہجراں تو اپنی جاں
امید صبح دیتی ہے ہم کو دلاسے کیا

صد چاک مثل شانہ کرے عاشقوں کا دل
ہوگا بس اور آپ کی زلفِ دوتا سے کیا

دل میں جو ہے وہ ہوگا شب وصل میں ضرور
ہوگا حضور آپ کی شرم و حیا سے کیا

میں حالِ دل تمام شب ان سے کہا کیا
ہنگام صبح کہنے لگے کس ادا سے کیا

بہر نمود غیر گوارا ہو اپنا خوں
مضمون ہاتھ آیا ہے برگِ حنا سے کیا

﴿۲۳﴾

کس قدر جوشِ مسرت میں ہے سر پر سہرا
خود ہے خوشبو کی طرح جامہ سے باہر سہرا

مصر خوبی کا تو نوشاہ ہے مثلِ یوسف
سایۂ لطفِ خدا ہے ترے سر پر سہرا

عارض و خال کا تیرے ہے اُسے قرب نصیب
کس طرح سے نہ ہو رشکِ مہ و اختر سہرا

آج ہر گل کی تمنا ہے یہی گلشن میں
کہ ترِے فرقِ مُبارک پہ ہو آ کر سہرا

بے سبب تو نے سنبھالا نہیں ہاتھوں سے اُسے
غش ہے عارض کی صفائی پہ مقرر سہرا

نگہت گیسوئے مُشکیں نے دکھایا جو اثر
ہوگیا اُور بھی خوشبو سے معطّر سہرا

روز روشن کا گماں کیوں شبِ عشرت پہ نہ ہو
عکسِ رُخسار سے ہے مہر منور سہرا

گلشنِ حُسن خدا داد جو شادی سے ہوئی
بن گیا چہرہ پہ نور کا زیور سہرا

جلوۂ حسن کے نظارے کی لاتا نہیں تاب
اِس لئے چہرہ سے ہٹ جاتا ہے اکثر سہرا

یہ طراوت عرقِ رُخ کی نہیں ہے اِس میں
آب آئینہ خورشید میں ہے تر سہرا

کہہ دیا ہم نے یہ اِک دوست کی فرمائش سے
ورنہ واقف بھی نہیں کہتے ہیں کیوں کر سہرا

☆☆☆☆

بائیس سال عمر کی غزلیں

۱۸٦۷ء

(یہ دوسری غزل ہے جو حضرمشاعرے میں پڑھی)

﴿۲۴﴾

مبارک مے کشو موسم پھر آیا بادہ خواری کا
چمن میں شور ہے پھر آمدِ فصلِ بہاری کا

نہایت اجتماعِ آتشِ سیماب مشکل ہے
خیالِ رُخ میں کیوں کر حال لکھوں بیقراری کا

ہمارا غنچۂ خاطر شگفتہ کر نہیں سکتی
فقط کلیاں کھلانا کام ہے بادِ بہاری کا

چمن میں خندہ زن گل ہے تو مے خانہ میں پیمانہ
یہاں ہے فیضِ ساقی واں کرم بادِ بہاری کا

مسخر کرتا ہوں پریوں کو میں جادو بیانی سے
حسینوں میں فسانہ ہے مری ذی اختیاری کا

ہوئی ہے اُلفتِ معبود میں دیوانگی مجھ کو
مقر کیوں کر نہ ایک عالم میری ہوشیاری کا

﴿۲۵﴾

آپ سے آتے ہو کب عشاق مضطر کی طرف
جذب دل یہ تم کو لایا ہے مرے گھر کی طرف

پوچھتا ہے جب کوئی ان سے کسے ہے تم سے عشق

دیکھتے ہیں پیار سے شرما کے اکبر کی طرف

﴿۲۶﴾

انہیں نگاہ ہے اپنے جمال ہی کی طرف
نظر اٹھا کے نہیں دیکھتے کسی کی طرف

توجہ اپنی ہو کیا فنِ شاعری کی طرف
نظر ہر ایک کی جاتی ہے عیب ہی کی طرف

لکھا ہوا ہے جو رونا مرے مقدر میں
خیال تک نہیں جاتا کبھی ہنسی کی طرف

تمہارا سایہ بھی جو لوگ دیکھ لیتے ہیں
وہ آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھتے پری کی طرف

بلا میں پھنستا ہے دل مفت جان جاتی ہے
خدا کسی کو نہ لے جائے اس گلی کی طرف

کبھی جو ہوتی ہے تکرار غیر سے ہم سے
تو دل سے ہوتے ہو در پر وہ تم اسی کی طرف

نگاہ پڑتی ہے ان پر تمام محفل کی
وہ آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھتے کسی کی طرف

نگاہ اس بت خود بیں کی ہے مرے دِل پر
نہ آئینہ کی طرف ہے نہ آرسی کی طرف

قبول کیجئے لِلّٰہ تحفہ دل کو!
نظر نہ کیجئے اس کی شکستگی کی طرف

یہی نظر ہے جو اب قاتل زمانہ ہوئی
یہی نظر تھی کہ اُٹھتی نہ تھی کسی کی طرف

غریب خانہ میں لِلّٰہ دو گھڑی بیٹھو
بہت دنوں میں تم آئے ہو اس گلی کی طرف

ذرا سی دیر ہی ہو جائے گی تو کیا ہوگا
گھڑی گھڑی نہ اٹھاؤ نظر گھڑی کی طرف

جو گھر میں پوچھے کوئی، خوف کیا ہے کہہ دینا
چلے گئے تھے ٹہلتے ہوئے کسی کی طرف

ہزار جلوۂ حسن بتاں ہو اے اکبر
تم اپنا دھیان لگائے رہو اُسی کی طرف

۲۷

یہ مصرعہ چاہیے لکھنا بیاض چشم وحدت میں
خدا کا عشق ہے عشق مجازی بھی حقیقت میں

برنگ حسن جو ہے جلوہ فرما ان کی صورت میں
خمیر عشق بن کر ہے وہی میری طبیعت میں

اگر میں ڈوب جاؤں قلزم اشکِ ندامت میں
گناہوں کا سفینہ غرق ہو دریائے رحمت میں

بھریں گلہائے حسرت ہی سے دامانِ تمنا کو
جو آنکلے ہیں بہرِ سیر گلزارِ محبت میں

لِکھا خونِ جگر سے صفحہ دل پر اے اکبر

اثر ممکن نہیں پیدا نہ ہو نقشِ محبت میں

﴿۲۸﴾

گلے لگائیں کریں پیار تم کو عید کے دن
اِدھر تو آؤ مرے گلعذار عید کے دِن
غضب کا حُسن ہے آرائشیں قیامت کی
عیاں ہے قدرتِ پروردگار عید کے دِن
سنبھل سکی نہ طبیعت کسی طرح میری
رہا نہ دِل مجھے اختیار عید کے دن
وہ سال بھر سے کدورت بھری جو تھی دل میں
وہ دور ہوگئی بس ایک بار عید کے دن
لگا لیا اُنہیں سینے سے جوشِ الفت میں
غرض کہ آہی گیا مجھ کو پیار عید کے دن
کہیں ہے نغمۂ بلبل ہے خندۂ گل!
عیاں ہے جوشِ شبابِ بہار عید کے دن
سویاں دودھ شکر میوہ سب مہیا ہے
مگر یہ سب ہے مجھے ناگوار عید کے دن
ملے اگر لبِ شیریں تیرے اِک بوسہ
تو لطف ہو مجھے البتہ یار عید کے دن

﴿۲۹﴾

مضمونِ سوزِغم نہ ہو کیوں کر چراغ میں

پروانوں کے پروں کا ہے دفتر چراغ میں
ہو لطفِ حُسن و عشق نہ کیوں کر چراغ
ہے روشنی و سوو برابر چراغ میں

درگاہ جانے والے ہیں غیروں کے ساتھ وہ
گھی جل رہا ہے آج تو گھر گھر چراغ میں

مژگاں کا عکس عارضِ روشن میں دیکھ لے
دیکھا نہ جس نے ہو کبھی خنجر چراغ میں

خورشیدِ رُخ نے تیرے جو بے نور کر دیا
کیا روشنی تھی صورتِ اختر چراغ میں

اس بت کے دل کا اِس دلِ روشن میں ہے خیال
ہے حُسنِ اتفاق سے پتھر چراغ میں

جانا نصیب میں ہے تو ہو کچھ فروغ ہی
بتی کی جا رہے تنِ لاغر چراغ میں

پھیلی ہمارے سوزِ محبت کی داستاں
بتی پڑی جو شام سے گھر گھر چراغ میں

رنگینی اُس کے عارضِ پُر نور میں نہیں
ہے جلوۂ بہارِ گلِ تو چراغ میں

داغِ گناہ سے دلِ مومن کو کیا ضرر
ہوتی سیاہی بھی تو ہے اکبر چراغ میں

خود دی بھی مجھ سے جب واقف نہ تھی میں تب سے بسمل ہوں
ازل ہی سے کشتہ تیغِ نگاہ نازِ قاتل ہوں
دلا کیوں کر میں اس رخسار روشن کے مقابل ہوں
جسے خورشید محشر دیکھ کر کہتا ہے میں تِل ہوں
خمِ گیسو پر اک رشک پری کے دل سے مائل ہوں
مجھے بھی اِن دنوں سودا ہے دیوانوں میں داخل ہوں
نہیں معلوم اس کو تیری چتون سے مقابل ہوں
مجھے واعظ سمجھتا ہے کہ میں مرنے سے غافل ہوں
نگاہِ ناز سے تم نے اگر دیکھا نہیں مجھ کو
تو پھر میں کیوں پڑپتا ہوں نہ زخمی ہوں نہ بسمل ہوں
فغاں کیسی کہ حرفِ شکوہ بھی لب پر نہ آئے گا
یہ جب تک تم نہ کہ لو گے وفا کا تیری قاتل ہوں
رہِ اُلفت وہ کوچہ ہے قضا بھی جس سے ڈرتی ہے
قدم رکھتا ہے دل اس میں نثارِ ہمتِ دل ہوں
جو یوں ہی لحظہ لحظہ داغِ حسرت کی ترقی ہے
عجب کیا رفتہ رفتہ میں سراپا صورتِ دل ہوں
مدوائے رہنمائے گمرہاں اِس دشتِ غربت میں
مسافر ہوں پریشاں حال ہوں گم کردہ منزل ہوں
یہ میرے سامنے شیخ و برہمن کیا جھگڑتے ہیں

اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہوں دونوں کا قائل ہوں

اگر دعوائے یک رنگی کروں ناخوش نہ ہو جانا
میں اِس آئینہ خانہ میں ترا عکسِ مقابل ہوں

توقع رہتی ہے دم کہ دم لینے کی مہلت ہے
معاذ اللہ اپنی موت سے کس درجہ غافل ہوں

رسائی زلف نے پائی قدم تک اب وہ کیوں آئیں
بہانہ خوب ہاتھ آیا کہ پابند سلاسل ہوں

خبر لیتے ہیں اس کی جس کو بیگانہ سمجھتے ہیں
مجھے کب پوچھتے ہیں میں تو اِک تحصیلِ حاصل ہوں

زمینِ شعر جس سے آسماں بن جائے اے اکبر
علوئے طبع سے ایسی غزل پڑھنے پہ مائل ہوں

﴿۳۱﴾

جو لذت آشنائے ہے ہیں وہ دل ہوں
اجل جس کو قیامت تک نہ آئے گی وہ بسمل ہوں

نصیب ایسے کہاں جو زینت ِ فتراکِ قاتل ہوں
جسے صیاد نے دیکھا نہیں وہ مُرغِ بسمل ہوں

پئے نظارہ جب سے عالم حیرت میں داخل ہوں
سنا کرو صفِ قاتل میں نے لاکھوں کو کیا بسمل
میں اِس تعریف سے گویا زبانِ تیغ قاتل ہوں

فضائے ہستی موہوم میری بے قراری میں

دلِ بے تاب کے ہاتھوں سے میں تسکینِ بسمل ہوں
خوشی میں روح جامہ سے رہے گی حشر تک باہر
لپٹ کر جس سے قاتل رو رہا ہے میں وہ بسمل ہوں
توسل چاہتا ہوں جس سے وہ دامن بچاتا ہے
یہ عالم قتل کا میدان ہے میں خونِ بسمل ہوں
قضا کا وہم بھی جس جا نہ پہنچے گا قیامت تک
وہاں تیغِ نگاہِ نازِ قاتل سے میں بسمل ہوں
جو کی کچھ گفتگو پیر خیرد نے راہِ اُلفت میں
کہا تقریر نے خاموش میں گم کردہ منزل ہوں
دکھایا بے خودی نے آئینہ جب میری ہستی کو
ہوا یہ صاف روشن وہ صنم حق ہے میں باطل ہوں
عجب مضمون میں پیدا ہوا ہوں بیتِ ہستی میں
عبارت میں بہت آسان ہوں معنی میں مشکل ہوں
ثبوت اس کا مجھے بھی خود فراموشی سے یاد آیا
وہ دعویٰ کر رہے تھے شکلِ انسان کا میں حاصل ہوں
ازل میں روئے جاناں سے اشارہ تھا یہ مصحف کا
تمنا ہے کہ میں بھی تیری ہی صورت میں نازل ہوں
جو پوچھا نیستی ہستی میں کیوں کر فرق ظاہر ہو
کمر نے یار کی ایما کیا میں حدِ فاصل ہوں
کرے اِک قطرہ جس کا بے خبر شورِدِ عالم سے
اُسی جامِ شرابِ تند کا ساقی سے سائل ہوں

عیاں ہے رنگ داغِ عشق میری خاکساری سے
گلستانِ محبت کا ہوں گل گو صورتِ گِل ہوں

عجب مجموعہ ہوں میں سرکشی اور خاکساری کا
جو شعلہ باد و آتش سے تو آب و خاک سے گِل ہوں

وہ داغِ آرزو ہوں جس سے دل دامن بچاتا ہے
کوئی پہلو نہیں مِلتا جسے دنیا وہ دِل ہوں

تصور وہ ہوں جو ہم رنگ ہے تصویرِ جاناں کا
خیالِ یار سے مل کر بنا ہے جو میں وہ دِل ہوں

جسے چشمِ تصور خواب میں بھی پا نہیں سکتی
سراپا چشم ہو کر میں اسی محفل میں داخل ہوں

جسے چشمِ تصور خواب میں بھی پا نہیں سکتی
سراپا چشم ہو کر میں اسی محفل میں داخل ہوں

رہِ الفت میں آتی ہے یہی آواز دوزخ سے
کہ میں بھی اِک رارِ شعلۂ بے تابیِ دل ہوں

صدائے صور سے شور قیامت کا یہ ایما ہے
کہ میں بے ساختہ اک نالۂ مستانۂ دِل ہوں

وہ مجنوں ہوں کہ جس کی ہر نظر تصویرِ لیلیٰ ہے
حجابِ حسن اُٹھ جاتا ہے جس سے میں وہ محمل ہوں

اجل سے پوچھتا ہے ہر نفس جو باہر آتا ہے
اجازت ہو اگر تیری تو پھر سینہ میں داخل ہوں

کہاں اس بحر سے جائیں گے بچ کر گوہرِ مضموں

سخن دریا جو ہے طبعِ رسا سے میں بھی ساحل ہوں

غزل ایسی پڑھوں جس سے برابر یہ صدا نکلے

عروج فکرِ عالی ہوں نشانِ عشق کامل ہوں

﴿۳۲﴾

وفورِ شوق قاتل سے نثارِ دل ہوں

امید جذبۂ دل سے مقیم کوئے قاتل ہوں

ہجوم آہِ سوزاں سے خیال روئے جاناں سے

فروغِ بزم ماتم ہوں چراغِ خانۂ دل ہوں

حجاب ِ روئے قاتل سے غمِ ناکامی دل سے

نگاہِ چشم حسرت ہوں شہید نازِ قاتل ہوں

وفورِ شوق ماتم سے صدائے نالۂ غم سے

شریکِ حالِ حسرت ہوں شکستِ شیشۂ دل ہوں

ہوائے باغ عالم سے جفائے خنجر غم سے

بقائے رنگ عشرت ہوں وفائے روح بسمل ہوں

بلائے یادِ گیسو سے خیالِ تیغ ابرو سے

ظہور جوشِ سودا ہوں گواہِ حالِ بسمل ہوں

خیالِ حسنِ صورت سے ہجومِ دردِ اُلفت سے

ظہور جوشِ سودا ہوں گواہِ حالِ بسمل ہوں

خیالِ حسنِ صورت سے ہجومِ دردِ اُلفت سے

ہمارے واجِ معنی ہوں نشانِ عشق کامل ہوں

ہوائے شعلۂ غم سے جفائے چرخِ اظلم سے
چراغِ داغِ حسرت ہوں گرفتارِ غم دل ہوں
نسیمِ صبحِ عشرت سے فروغِ شوق دولت سے
ہجومِ خوابِ غفلت ہوں چراغِ عمرِ غافل ہوں
لبِ پیمانۂ دل سے وفورِ شوق کامل سے
مریضِ لذتِ غم ہوں لبِ اظہار سائل ہوں
جفائے تیغِ فرقت سے خیالِ رازِ الفت سے
زبانِ حالِ بسمل ہوں سکوتِ شمعِ محفل ہوں
علوئے جوشِ مستی سے صفائے طبعِ عالی سے
فدائے فکرِ اکبر ہوں نثارِ شعرِ مشکل ہوں
درِ گنجینۂ اسرارِ معنی کھول دو اکبر
بس اب پیرِ خرد اقرار کرتا ہے کہ جاہل ہوں

۴۳

کہیں دل ہوں کہیں میں باعثِ بے تابیِ دل ہوں
کہیں اندازِ بسمل ہوں کہیں میں نازِ قاتل ہوں
کہیں تمکینِ خوبی ہوں کہیں ہنگامۂ الفت
کہیں رنگِ رُخِ گل ہوں کہیں شورِ عنادل ہوں
کہیں جلوہ ہوں صورت کا کہیں ہوں شاہدِ معنی
کہیں ہوں محملِ لیلیٰ کہیں لیلائے محمل ہوں
کہیں عاشق کا مطلب ہوں کہیں معشوق کی خواہش

کہیں مجبورِ مطلق ہوں کہیں مختارِ کامل ہوں
کہیں ہوں شوقِ آزادی کہیں تدبیر پابندی
کہیں میں جوشِ سودا ہوں کہیں طوقِ سلاسل ہوں
کہیں عمرِ دو روزہ ہوں کہیں ہوں آرزو دل کی
کہیں دل مجھ میں داخل ہے کہیں میں دل میں داخل ہوں
کہیں جوش اہلِ معنیٰ کا کہیں ہوش اہلِ صورت کا
کہیں شورِ انا الحق ہوں کہیں دعوائے باطل ہوں
کہیں ہوں حسن کا ایماں کہیں ہوں درد کی لذت
کہیں قاتل کی چتون ہوں کہیں چتون کا بسمل ہوں
کہیں ہوں صُورت لیلیٰ کہیں حالِ دلِ مجنوں
کہیں چھپنے کے لائق ہوں کہیں کھلنے کے قابل ہوں
کہیں یاروں کی محفل میں کہیں ہنگامہ دل میں
کہیں میں رند مشرب ہوں کہیں درویش کامل ہوں
کہیں تصویرِ حسرت ہوں کہیں محو پریشانی
کہیں ہوں شیفتہ رُخ کا کہیں زلفوں کا مائل ہوں
معاون ہوں کسی جا میں کہیں امداد کا طالب
کہیں خضرِ ہدایت ہوں کہیں گم کردہ منزل ہوں
کہیں ہوں گوہر مقصد کہیں دامن تمنا کا
کہیں ہمت کریموں کی کہیں امیدِ سائل ہوں
کہیں ہوں ولولہ دل کا کہیں ہوں ضبط عاقل کا
روانی میں کہیں دریا کہیں رکنے میں ساحل ہوں

نہ دریائے معانی جوش پر ہے دل میں اَے اکبر
مگر ساکت ہوں جب تک آپ میں آنے کے قابل ہوں

﴿۳۴﴾

لگی ہے آگ الفت کی ہمارے رشتۂ جاں میں
جلا کرتے ہیں مثلِ شمع ہم بزم حسیناں میں
کروں گا جستجو مضموں کی وصفِ چشم جاناں میں
پھرے گی فکر پتلی کی طرح چشمِ غزالاں میں
پروئے یار نے موتی جو اپنی زُلفِ پیچاں میں
نظر آنے لگے شبنم کے قطرے سنبلستاں میں
کیا موزوں جو مطلع میں نے وصفِ روئے جاناں میں
نظر آنے لگا خورشیدِ تاباں برج میزاں میں
نزاکت سے جو فرشِ گل پہ سوتے تھے گلستاں میں
اب ان کی خاک اڑتی پھرتی ہے دشت و بیاباں میں
نہ کیوں کر وحشتِ دل پر گماں ہو شوق مُوسی کا
تجلی وادیِ ایمن کی ہے اپنے بیاباں میں
انھیں کی آنکھ سے ممکن ہے ان کا دیکھنا اَے دِل
بنوں حیرت سے آئینہ نہ کیوں کر بزمِ جاناں میں
غزالانِ ختن آ آ کے مجھ پر صدقے ہوتے ہیں
کبھی بیمار پڑتا ہوں جو یاد چشم جاناں میں
خزاں میں کیوں نہ ہو سر سبز نخلِ ماتم بلبل

عوض پانی کے جب حسرت برستی ہوں گلستاں میں
تری زلفِ مسلسل دیکھ کر ظاہر ہوا مجھ کو
یہی زنجیر پائے دل کی ہے ہستی کے زنداں میں
اگر زنجیر پا ہوتی نہ الفت تیری زلفوں کی
نہ رہتے ہم سے دیوانے کبھی ہستی کے زنداں میں
اثر بعد فنا بھی گردش قسمت کا باقی ہے
بگولا بن کے میری خاک اُڑتی ہے بیاباں میں
خیال ہجر یارانِ وطن سے جان جاتی ہے
غضب ہے ہوش آنا اے جنوں مجھ کو بیاباں میں
زبانِ حال سے کہتا ہے میرا سبزۂ تُربت
نشاں حسرت کا ہے نشوونما بھی اِس گلستان میں
اسی مِصرعہ پہ میں تو فصِل گل میں وجد کرتا ہوں
تری قدرت نے کیا کیا گل کھلائے ہیں گلستان میں
خزاں آتی ہے بلبل دیکھ لے اچھی طرح گل کو
خدا جانے کب آئے موسمِ گل پھر گلستاں میں
سناتا ہوں جو افسانہ کسی کی بزم عشرت میں
نسیم نو بہاری رقص کرتی ہے گلستاں میں
کریں گے حشر میں ظاہر جو ہم مجبوریِ الفت
ہمارا نامۂ اعمال ہوگا دستِ جاناں میں
سرِ خاکِ شہنشاہانِ عالم کہتی ہے عبرت
قدم رکھے بچا کر آئے جو شہرِ خموشاں میں

﴿۳۵﴾

پئے تسلیم سر جھکتا تھا سب کا جن کے ایواں میں
انہیں کی خاک اب پامال ہے گور غریباں میں

چھرا کی شکلِ یارانِ چشمِ گریاں میں
ہماری عمر روتے ہی کٹی گورِ غریباں میں

جمالِ حُور کو کہتا ہے افزوں حُسنِ انساں سے
کوئی عاشق بھی ان کا زاہدا ہے باغِ رضواں میں

جب آنا موت کا ممکن نہیں جنت میں اے واعظ
تو پھر کس کام کے حُوروں کے غمزے باغِ رضواں میں

نہ پوچھو حال کچھ چاہت کا ان زہرہ جبینوں کی
فرشتوں کے ہیں دل ڈوبے ہوئے چاہِ زنخداں میں

کسی کو ہوتی کیا پروا ہمارے جینے مرنے کی
بسان سبزۂ بیگانہ ہم تھے اِس گلستاں میں

نہیں سروِ سہی کو باغ میں اندیشہ صرصر
غرض ہے راستی بھی خوب شیوہ اس گلستاں میں

﴿۳۶﴾

ابھی تو موسمِ گل بھی نہ گیا تھا گلستاں میں
میں کیوں جامہ سے باہر ہوگیا شوقِ بیاباں میں

نظر آتا نہیں جزہ آہ کوئی مُونس و ہمدم
بدل جاتی ہے دنیا کی ہوا شب ہائے ہجراں میں

میں دیتا جاؤں یارانِ وطن کو کیا پتہ اپنا
خدا جانے مجھے لے جائے وحشت کس بیاباں میں

سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے جب فصلِ بہاری کا
گلوں کو یاد کرکے خوب روتا ہوں گلستاں میں

وہ بالیں پر ہیں وقتِ نزع کیوں کر ان سے رخصت ہوں
نہیں طاقت اشارے کی بھی مجھ دم بھر کے مہماں میں

مزا کیا جب حسینوں نے اطاعت کی حکومت سے
نہیں کچھ لطف پریاں تھیں جو قابوئے سلیماں میں

وفورِ اشک سے یوں ہیں ہرے داغِ جگر اپنے
چمن سرسبز ہو جاتا ہے جیسے فصلِ باراں میں

یقین تھا گوہر آمرز گاری کے جو ملنے کا
دم آخر تلک ڈوبے رہے ہم بحر عصیاں میں

ہیں اپنے داغِ سینہ طعنہ زن خورشیدِ محشر پر
تماشا حشر کا ہے کوچۂ چاکِ گریباں میں

یہ مجھ دیوانے کو اکثر صدا آتی ہے زنداں سے
کھلا ہے خانۂ زنجیر کا در شوقِ مہماں میں

عجب کیا موسمِ پیری میں اے دل ٹھنڈی سانسوں کا
ہوائے سرد اکثر چلتی ہے فصلِ زمستاں میں

بقولِ رند مہمانِ فلک میں بھی ہوں اے اکبر
مری قسمت کا ٹکڑا بھی ہے اس کے خوانِ الواں میں

پھر گئی آپ کی دو دن میں طبیعت کیسی
یہ وفا کیسی تھی صاحب یہ مروّت کیسی

دوست احباب سے ہنس بول کے کٹ جائے گی رات
رند آزاد ہیں ہم کو شبِ فرقت کیسی

جس حسیں سے ہوئی الفت وہی معشوق اپنا
عشق کس چیز کو کہتے ہیں طبیعت کیسی

جس طرح ہو سکے دن زیست کے پورے کر لو
چار دن کے لئے انسان کو حسرت کیسی

ہے جو قسمت میں وہی ہوگا نہ کچھ کم نہ سوا
آرزو کہتے ہیں کس چیز کو حسرت کیسی

حال کھلتا نہیں کچھ دل کے دھڑکنے کا مجھے
آج رہ رہ کے بھر آتی ہے طبیعت کیسی

کوچہ یار میں جاتا تو نظارہ کرتا
قیس آوارہ ہے جنگل میں یہ وحشت کیسی

حسن اخلاق پہ جی لوٹ گیا ہے میرا
میں تو کشتہ تری باتوں کا ہوں صورت کیسی

آپ بوسہ جو نہیں دیتے تو میں دل کیوں دوں
ایسی باتوں میں مری جان مروّت کیسی

ہم نہ کہتے تھے کہ زینت بھی ہے معشوق کو شرط

کیوں؟ نظر آتی ہے آئینہ میں صورت کیسی

﴿۳۸﴾

ملے ہر اک سے محبت مگر انہیں سے رہی
وہ عاشقانہ جو تھی اِک نظر انہیں سے رہی
یہ کون بات پسند آگئی ہے غیروں کی
لگاوٹ ان کی جو آٹھوں پہرا نہیں رہی
چھٹو گے دامِ بلا سے کبھی نہ اَے اکبر
طبیعت الجھی ہوئی یوں اگر انہیں سے رہی

۱۸۶۸ء

۲۳ سال عمر کی غزل

﴿۳۹﴾
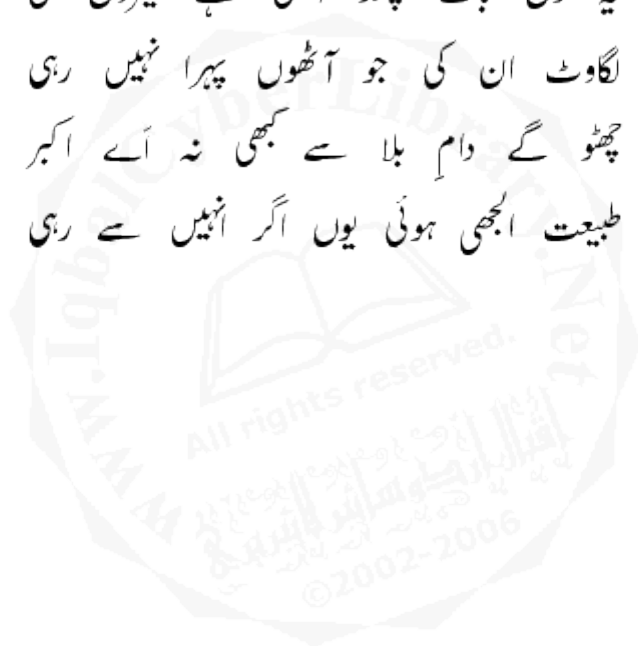
جلوۂ رفتارِ جاناں ہے نمونہ حشر کا
حق بجانب ہے جو ہے زاہد کو دھڑکا حشر کا

بے تامل تیری قامت کے جو مضموں حل گئے
شاید اب نزدیک آپہنچا زمانہ حشر کا

جلوۂ قامت نے کچھ ایسا ہمیں گھبرا دیا
جیتے جی ہم سمجھے آپہنچا زمانہ حشر کا

میری آنکھیں نُوح کے طوفاں کی دکھلاتی تھیں سیر
اُن کی چتون نے تو دکھلایا تماشا حشر کا

یاد قامت نے کیا ہے واعظوں کا معتقد
روز میں سننے کو جاتا ہوں فسانا حشر کا

لوحِ قسمت کے مطابق نامہ عصیاں ہے جب
پھر بھلا ہونے لگا کیوں مجھ کو کھٹکا حشر کا

ہے شب ہجراں درازی میں بسانِ زلفِ یار
طول میں روزِ جدائی دن ہے گویا حشر کا

یاد قامت سے جو اس دن مل گئی فرصت ہمیں
دیکھ لیں گے دور سے ہم بھی تماشا حشر کا

بے خبر جو ایک کے احوال سے ہے دوسرا

آپ کی محفل بھی گویا ہے نمونہ حشر کا
جنسِ عصیاں نفع خاطر خواہ پر بیچیں گے ہم
اے غمِ نقصاں ذرا ہونے دے میلہ حشر کا
فاتحہ پڑھنے مری تربت پہ خوش قد آتے ہیں
ہر شبِ آدینہ یاں ہوتا ہے میلا حشر کا
کیا قیامت نامہ پڑھ پڑھ کر سناتا ہے مجھے
خوف تو مجھ کو دلاتا ہے بھلا کیا حشر کا
واعظا میں اس کا محو جلوہ رفتار ہوں
جس کا ہر نقش قدم ہے اک رسالہ حشر کا
انتہا کا حسن بخشا ہے اسے اللہ نے
کیوں دل و جاں سے نہ میں ہو جاؤں شیدا حشر کا
نامۂ اعمال میرا اس کی ہے زلفِ سیاہ
نورِ رحمت پائے حق ہے روئے زیبا حشر کا
وحشت دل مجھ سے کہتی ہے چلو بھی یاں سے اب
طے ابھی برسوں نہ ہوگا یہ بکھیڑا حشر کا
خواہشِ خلد بریں میں آرزوئے حُور میں
کون مدت تک اٹھائے ناز بے جا حشر کا
حشر تک اب ہاتھ آنے کے نہیں مضمونِ حشر
تم نے اے اکبر کوئی پہلو نہ چھوڑا حشر کا

☆☆☆☆☆

﴿۴۰﴾

پچیس سال عمر کی غزلیں

لاکھ جرأت کی کہ تنہائی میں لپٹا لیں انہیں
دل میں رعب حسن سے خوف و خطر آ ہی گیا

میں بھی اب اچھی طرح غیروں سے کرتا ہوں فساد
رنج تو مجھ سے تجھے اے فتنہ گر آ ہی گیا

دھیان میں لایا سرِ مُو بھی نہ اس کی نازکی
کُھل کے جُوڑا خود سری سے تا کمر آئی گیا

گو بہت کچھ رنج یارانِ وطن سے تھا ہمیں
آنکھ میں آنسو مگر وقتِ سفر آ ہی گیا

میری آہیں سُن کے کان اپنے کئے تھے تم نے بند
رو دیئے آخر کو دل میں کچھ اثر آ ہی گیا

آ کے جب غش میں مجھے دیکھا تو گھبرا کر کہا!
ہوش میں آ۔ اب تو میں اے بے خبر آ ہی گیا

بعد مدت کے نظر آئی جو صورت یار کی
سو طرح دل کو سنبھالا غش مگر آ ہی گیا

﴿۴۱﴾

حسرت کو شہرِ عشق میں بھیجا خدا نے جب
رہنے کو خانۂ دلِ مضطر بنا دیا

پہلے ہی چال آپ کی تھی فتنہ زا حضور

گھونگھرو نے اور فِتنۂ محشر بنا دیا
لکھی یہاں تلک اس نونہال کی
خامہ کو ہم نے شاخِ گلِ تر بنا دیا

﴿۴۲﴾

نظارہ روز و شب ہے مصحفِ رخسارِ قاتل کا
یہی صورت رہی تو بس خدا حافظ مرے دل کا
خزاں میں کیا اداسی چھائی ہے صحنِ گلستان پر
نہ وہ پھولوں کی رنگینی نہ وہ نغمہ عنادل کا
یہ زینت بندشِ الفاظ کی ہے حُسنِ معنی سے
نہ ہو جلوہ جو لیلیٰ کیا لطف محمل کا

☆☆☆

چھبیس سال عمر کی غزل

۱۸۷۱ء

﴿۴۳﴾

کوئی پہنچا نہیں اے یار تیرے قدرِ رعنا تک
ہماری فکر عالی سرو سے ہو آئی طوبیٰ تک

کبھی تشریف تو لائیں وہ مجھ محوِ تمنا تک
دلِ مشتاق کیا ان پر فدا ہے جانِ شیدا تک

دبستانِ محبت میں ہوا حاصل نہ کچھ مجھ کو
کتاب عمر آخر ہوگئی حرف تمنا تک

گلستاں میں جو بلبل رنگِ گل پر جان دیتی ہے
نہیں پہنچی نظر اس کی ترے رخسار زیبا تک

تری فکر کمر سے ہوگیا ہے اس قدر نازک
کہ مشکل سے پہنچتا ہے تصور نام عنقا تک

دلِ صد چاک آتا ہے نظر جو صورت شانہ
رسائی اس کی ہے شاید تری زلف چلیپا تک

گماں ہے کارواں جذبہ دل کا مجھے اس پر
کنوئیں سے کھینچ لایا تھا جو یوسف کو زلیخا تک

نقاب الٹیں اگر وہ عارض پر نور سے اپنے
شب یلدا کو سمجھے روز محشر چشم اعمیٰ تک

جو ہے طوق کلو گرداب تو زنجیر پا موجیں

تری الفت میں انسان کیا کہ دیوانہ ہے دریا تک
زمیں پر شمع روشن ہے فلک پر ماہِ تاباں ہے
تمہارے نور سے ہیں فیض یاب ادنٰی سے اعلیٰ تک
میں ہوں وہ رشک مجنوں جس سے وحشت کو بھی وحشت ہے
وہ ویرانہ ہے میرا جس سے گھبراتا ہے صحرا تک
کیا ہے عاشق اک پردہ نشیں کا مجھ کو قسمت نے
میں وہ بیمار ہو جو جا نہیں سکتا مسیحا تک
وہ آئے بھی جو بالیں پر تو ایسے وقت میں آئے
کر فرطِ ضعف سے ہم کر نہیں سکتے اشارا تک
جو اس نے ناز سے پوچھا کہ تیری آرزو کیا ہے
خوشی سے وہ ہوئے بے خود کہ ہم بھولے تمنا تک
نہ نکلے اشک حسرت نزع میں اے بیکسی کیوں کر
وہ بیکس ہوں نہیں ہے کوئی مجھ پر رونے والا تک
جو وصف صاحب ﷺ معراج ہے مدنظر اکبر
مری فکر رسا جاتی ہے اب عرشِ معلیٰ تک

☆☆☆

۱۸۷۲ء

ستائیس سال عمر کی غزل

(۴۴)

چیزے کہ بہ عشق اُوی رقصد و می سوزد
دل ہست کہ در پہلو می رقصد و می سوزد

در شمع چو می بیند نورے زرُخوبت
پروانہ سے بگردِ اُوی رقصد و می سوزد

ہر شمع بیادِ اُوی گرید و می کاھد
ہر شعلہ بہ شوق اُوی رقصد و می سوزد

۱۸۷۳ء

اٹھائیس سال کی غزلیں

﴿۴۵﴾

کیسی کیسی وہ لگاوٹ کی نظر کرتے ہیں
دھوکے کھاتا ہے ہمارا دلِ نادان کیا کیا
خوب فرما گئے ہیں حضرتِ آتش اکبر
میرے اللہ نے مجھ پر کئے احساں کیا کیا

﴿۴۶﴾

ناقصاں را سود بخشد پر تو اہل کمال
ماہِ نورانی کند در نور کامل آفتاب
بنیمش در قطعِ رہ ہر روز روز اوّلیں
صورت من ہست جویائے چہ منزل آفتاب
ہر سحر لرزان و ہرشامے بخوں می غلطمش
شد مگر از غمزۂ حسنِ تو بسمل آفتاب
حیرتم نبود بریں اوجِ تو اے لیلائے حسن
ناقہ ات گردوں اگر سازندو محمل آفتاب
مرکز آسا نقطۂ موہومش انگار ندو بس
گرو دارد حلقہ بزمِ تو داخل آفتاب
ہست رفتارِ حسیناں باعثِ صدر انقلاب
می کند تغییر فصل از طے منزل آفتاب

سوزِ عشق روئے تو دارم بایں کم مائگی
اخترے ہستم کہ پنہاں کردہ در دل آفتاب

جوش زوچوں پر تو نور رخت اے بحر حسن
در اُفق گم گشت مثلِ موج ساحل آفتاب

پر توِ نورت نمود اعجاز ہنگامِ شنا
قطرہ قطرہ گشت در دامانِ ساحل آفتاب

مے کشاں ئے خوردہ از بحر ترد و بگذ رند
می رساند کشتی رنداں بسا حل آفتاب

دا نہائے سبحہ دردست است او شوق بے مے بطبع
برکف انجم دارم و پوشیدہ در دل آفتاب

برسرش زہرہ اگر تابداسیراں را خوش مست
بگذرو زود از نواحِ چاہِ بابل آفتاب

بر سپہر معنی روشن چوگامے سیر گرد
ارمغاں آورد اکبر سوئے محفلِ آفتاب

آفریں اکبر بریں روشن بیانی ہائے تو
شعرمی خوانی و می تابد بہ محفلِ آفتاب

﴿۴۷﴾

دِلم فسردہ شدو عشق و آرزو باقی است
نماند در گل پژمردہ رنگ و بو باقی است

گماں مبر کہ ستم کر دی و وفا نہ کنم

بیا بیا کہ ہماں شوق و آرزو باقی است
فغاں کہ آتشِ غم زیر خاک ہم نگذاشت
ہنوز سوز دل و آہ شعلہ خو باقی است

بہ بحر عشق فتادیم دوست پانہ زدیم
ہزار منت ہمت کہ آبرو باقی است

اجل بیامد و جانم ببردو دل بگذاشت
فغاں کہ جان عزیزم شد و عدد باقی است

فدائے صورتِ زیبا رُخے کہ فانی نیست
نثارِ حُسن حسینے کہ حُسنِ او باقی است

ز زِشتیِ عمام در لحد نمی پُرسند
ہزار شکر کہ یادِ رُخ نکو باقی است

پسِ فنا بہ لحد ہم قرار نیست مرا
مگر بہ دل خلش خار آرزو باقی است

بہ حُسنِ فانیِ دُنیا مبند دل اکبر
فنا شود رہِ آں کس کہ نامِ او باقی است

﴿۴۸﴾

جاں نثاروں کے سوا کوئی نہ دیکھے روئے دوست
چال ہے تیغِ قضا کی جنبشِ ابروئے دوست
دیکھنے آئے تھے ہم حُسنِ رُخ نیکوئے دوست
آپ سے جاتے رہے آ کر میانِ کوئے دوست

اہلِ دل کو ذکرِ قمریؔ سے یہ آتی ہے صدا
باغ دل میں چاہیے سرو قد دلجوئے دوست

رقص کرتی ہے نسیم صبح کیوں مستانہ وار
گلشن دل سے اڑا لائی ہے شاید بوئے دوست

کیسے کیسے گل کھلے ہیں نقشِ پائے یار سے
غیرت دامانِ گلچیں ہو رہا ہے کوئے دوست

وہ گلِ رنگین ہوں میں پیدا ہے جس سے رنگ یار
رنگ وہ ہوں جس میں پنہاں ہوگئی ہے بوئے دوست

دشمنوں کا سر ندامت سے ہے جھکنے کے لیے
میری گردن ہے برائے خنجر ابروئے دوست

میں وہ آئینہ ہوں اس حیرت سرائے دہر میں
جس میں جوہر کے عوض رہتا ہے عکس روئے دوست

﴿۴۹﴾

زائل اے دل یہ مرا دردِ جگر ہو کیوں کر
وصل جاناں ہے دوا اس کی مگر ہو کیوں کر

محفلِ عشرتِ اغیار میں رہتے ہیں حضور
حالِ غم دیدۂ ہجراں کی خبر ہو کیوں کر

﴿۵۰﴾

جلوۂ شاہدِ معنی کی ہیں مشتاق آنکھیں!
حسنِ صورت مجھے منظورِ نظر ہو کیوں کر

سیم تن ہیں انہیں رہتی ہے بہت خواہشِ زر
واں بھلا ہم سے غریبوں کا گذر ہو کیوں کر
حاضری کا جو مِلا حکم تو یہ ہو ارشاد
درِ دولت پہ جو آؤں تو خبر ہو کیوں کر

﴿۵۱﴾

غم ہجر توہ کردہ است بمن ہیچ مپرس
گریہ می آدیم از رنج و محن ہیچ مپرس
نالۂ من چو توانی بر یاراں برساں
اے صبا قِصۂ دُوریِ وطن ہیچ مپرس
بشنواز مرگ من و فارغ و خرم بنشیں
باش مستغنی و از گورو کفن ہیچ مپرس
دقتے ہست بہ تشریحِ کمر ہیچ مگو
مشکلے ہست زا سرارِ دہن ہیچ مپرس
آخرِ فصلِ بہار است و دمِ رخصت گل
دیگر از حسرتِ مرغانِ چمن ہیچ مپرس
شوقم آمادہ و دل مائل و قاتل بہ کمیں
اندریں وقت زبے صبری من ہیچ مپرس
وقت آنست کہ باشام غریباں سازم
باش وائے ہم سفر از صبح وطن ہیچ مپرس
حسرت چند بہ دل دارم وایں نکتہ بس است

وز کہ آموختہ ام طرزِ سخن ہیچ مپرس
گو از لعلِ یمانی و بہ ہیں لختِ ولم
اشکِ من بنگرواز ورِ عدن ہیچ مپرس
بیکسی معتکفِ تربت اوبود بدشت
قصۂ اکبر مہجورِ وطن ہیچ مپرس

﴿۵۲﴾

وہ رشکِ گل نہ ہوا ہم سے ہمکنار افسوس
بہار عمر خزاں ہوگئی ہزار افسوس
بہت پسند ترا رنگ ہے مجھے لیکن
بقا نہیں تجھے اَے موسمِ بہار افسوس
بتوں کی یاد میں توبہ بھی بھولے ہم دم مرگ
چلے جہان سے آخر گناہ گار افسوس
جو بے قراری نے آںے دیا نہ دل کے قریب
تو میرے حال پہ کرنے لگا قرار افسوس!
کسی نے بزم میں سمجھا نہ باعثِ گریہ
تمام رات رہی شمع اشک بار افسوس
طریق عشق میں ہادی و رہنما اکبر
جو ایک دل بھی مِلا ہے وہ بیقرار افسوس

۱۸۷۴ء - - - - - - - - - -۱۸۷۵ء

اُنتیس اور تیس سال عُمر کی غزلیں

۱۸۷۴ء مقام آگرہ

(۵۳)

ہجر میں دانتوں کے گریاں جو میں بیتاب ہوا
اشک جو آنکھ سے نکلا دُرِ نایاب ہوا

سبزۂ خط سے قرارِ دل بیتاب ہوا
کشتہ اس بوٹی سے آخر وہ یہ سیماب ہوا

موردِ طعنۂ بیگانہ احباب ہوا
خوب رُسوا ترے ہاتھوں دلِ بیتاب ہوا

ہوگی غرق میں یادِ رُخِ نورانی میں
ہالۂ ماہ مجھے حلقۂ گرداب ہوا

تو ہے وہ برقِ تجلّی کہ ترا نقشِ قدم
رو کشِ آئینۂ مہرِ جہاں تاب ہوا

تیرے جلوے سے ہوا حسن ظہور ایجاد
نور تیرا سبب عالم اسباب ہوا

گلِ ہستی کو ترے رنگ نے زینت بخشی
چمنِ خلق ترے فیض سے شاداب ہوا

حسرت اے عقل کہ پائی ترے لشکر نے شکست
مژدہ اے عشق جنوں آج ظفر یاب ہوا

کسی حالت میں اسیری سے رہائی نہ ہوئی
ڈوب مرنے پہ بھی مائل جو میں بیتاب ہوا

موجیں دریا کی سلاسل ہوئیں پاؤں کے لیے
طوق گردن کے لیے حلقۂ گرداب ہوا

چشم معنی سے جو کی سیرِ طلسماتِ جہاں
پتہ پتہ مجھے اِک گلشنِ شاداب ہوا

قطرہ قطرہ میں ہوئی وسعتِ دریا پیدا
ذرہ ذرہ صفتِ مہرِ جہاں تاب ہوا

اِک زمانہ کی ترے آگے جھکی ہے گردن
خمِ ابرو نہ ہوا کعبہ کی محراب ہوا

ساقیا بہرِ خدا جلد پلا مجھ کو شراب
فرقتِ شیشہ و ساغر میں میں بیتاب ہوا

نہ رہی دخترِ رز مجھ پہ کسی طرح حرام
اب ترے عذر کا مسدود ہر اک باب ہوا

اِس طرف قلقلِ مینا ہے اُدھر شورِ طلب
بس سمجھ لے وہ قبول اور یہ ایجاب ہوا

درد ہوتا ہے یہ کہہ کر کئے کان آپ نے بند
حال میرا نہ ہوا قطرۂ سیماب ہوا

﴿۵۴﴾

فکرِ رنگیں سے ہوئی مدحتِ وندانِ صنم!
دیکھئے لعل سے پیدا دُرِ نایاب ہوا

رہی ہر کام میں ہر وقت مسبب پہ نگاہ

اپنا منظر نہ کبھی عالمِ اسباب ہوا
یاں کی رنگینیاں ہیں عین دلیل غفلت
سرخیِ چشم سے پیدا اثرِ خواب ہوا
گردشِ بخت سے آنسو ہی نکلتے ہیں مدام
اس میں بھی کیا اثر گردشِ دولاب ہوا
ضیق فرصت میں غزل ہو نہ سکی اے اکبر
میں تو شرمندۂ فرمائشِ احباب ہوا

﴿۵۵﴾

ابھی سے خون رُلاتی ہے مجھ کو فکرِ مآل
چمن میں بعد ترے اَے بہار کیا ہوگا
انہیں پسند نہیں اور اس سے میں بیزار
الٰہی پھر یہ دلِ بے قرار کیا ہوگا
عزیز و سادہ ہی رہنے دو لوحِ تربت کو
ہمیں مٹے تو یہ نقش و نگار کیا ہوگا

﴿۵۶﴾

زمانہ ہوگیا بسمل تری سیدھی نگاہوں سے
خدانا خواستہ ترچھی نظر ہوتی تو کیا ہوتا
محبت ہو نہ ہو ان کو مجھے کیا میں تو عاشق ہوں
نہ ہونے سے ہے اس کے کیا اگر ہوتی تو کیا ہوتا
لپا جاتا ہوں میں سو جان سے اس بے وفائی پر

محبت یار کو مجھ سے اگر ہوتی تو کیا ہوتا

مری حسرت کی نظروں ہی پہ ظالم اس قدر بگڑا

کہیں دردِ جگر سے چشم تر ہوتی تو کیا ہوتا

نہ رکھی آسماں نے ایک دم بھی وصل کی ساعت

گھڑی بھر چین سے اپنی بسر ہوتی تو کیا ہوتا

قفس اِس ناتوانی پر تنِ بسمل بناتم سے

جو طاقت بھی کہیں اے بال و پر ہوتی تو کیا ہوتا

☆☆☆

۱۸۷۴ء یا ۱۸۷۵ء

کام آتا ہے جو وصفِ رُوئے دلبر میں چراغ

اَوج پر رہتا ہے ہر محفل میں ہر گھر میں چراغ

یادِ مژگان و رُخِ روشن ہمارے دل میں ہے

یا کسی نے رکھ دیا پہلوئے خنجر میں چراغ

آہ کرتا ہوں تو رکھ لیتے ہیں وہ رُخ پر نقاب

کہتے ہیں صاحب ٹھہرتا کب ہے، صرصر میں چراغ

جب سے تحریرِ ثنائے رُخ میں کام آتا ہے یہ

ہے عوض بتی کے فکر تار مسطر میں چراغ

پھیل جائے گی جو ظلمت نامۂ اعمال کی

میرا یہ داغِ ندامت ہوگا محشر میں چراغ

لال ڈورے ہیں جو چشم مستِ ساقی میں عیاں
ہیں طلسمِ حُسن سے روشن یہ ساغر میں چراغ

دل کے پیانے میں داغِ ہجر ساقی یہ نہیں
میکشوروش کیا ہے میں نے ساغر میں چراغ

یوں خیالِ گل رُخاں میں ہے منوّر داغِ دل
جل رہا ہو جس طرح پھولوں کی چادر میں چراغ

دیکھتے ہو تم بہت پروانہ بن جائے نہ یہ
پڑ نہ جائے جادوئے چشمِ فسوں گر میں چراغ

یوں ہے افشاں میں عیاں پیشانی روشن تِری
ماہ کا جلتا ہو جیسے فوجِ اختر میں چراغ

کر رہا ہے وصف آئینہ کا جو وہ شعلہ رُو
ہے یہ گویا شکرِ احسان سکندر میں چراغ

روزِ روشن آئینہ کا زلف نے شب کر دیا
عکسِ عارض نے جلایا چشمِ جوہر میں چراغ

یوں ہے دل کی خواہشوں میں داغِ حسرت کا ہجوم
جس طرح سے سیکڑوں جلتے ہوں لشکر میں چراغ

بے گنہ ہر شب لیا کرتا ہے پروانوں کی جان
کیا جواب اس کا خدا کو دے گا محشر میں چراغ

دل میں جتنی ہو سکے داغوں کی کثرت خوب ہے
چاہئیں افراط سے اللہ کے گھر میں چراغ

برہمِ ہستی میں نہ دیکھا پرتوِ رُوئے صنم

اِس شبستاں میں نہ تھا میرے مقدر میں چراغ
غم کے شعلے یادِ عارض میں بھڑکتے رہتے ہیں
آج کل ہے دشمنِ جاں بزم اکبر میں چراغ

دَورِ دُوُم

اندازاً

تیس سے چالیس سال عمر تک

کی

غزلیں

(۱)

غمزہ نہیں ہوتا کہ اشارہ نہیں ہوتا
آنکھ اُن سے جو ملتی ہے تو کیا کیا نہیں ہوتا

جلوہ نہ ہو معنی کا تو صورت کا اثر کیا
بلبل گلِ تصویر کا شیدا نہیں ہوتا

اللہ بچائے مرضِ عشق سے دِل کو
سنتے ہیں کہ یہ عارضہ اچھا نہیں ہوتا

تشبیہ ترے چہرے کو کیا دوں گلِ تر سے
ہوتا ہے شگفتہ مگر اتنا نہیں ہوتا

میں نزع میں ہوں آئیں تو احسان ہے ان کا
لیکن یہ سمجھ لیں کہ تماشا نہیں ہوتا

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

نہاں ہے مثل بوئے گل جو رنگ اس روئے زیبا کا
مری چشمِ تماشا چشمہ ہے خونِ تمنا کا

سیہ بختی کے پڑتے ہیں جو ہم پر پیچ غربت میں
تو یاد آتا ہے بل کھانا کسی زلفِ چلیپا کا

ہوا ہے امتحانِ ضبط پر مائل بُتِ کافر
خدا حافظ دلِ بے صبر و جانِ ناشکیبا کا

بڑھا کر آرزو اتنا گھٹایا عشق نے مجھ کو
کہ کانٹا رہ گیا میں اپنے گلزارِ تمنا کا

نہ ہو چشمِ تمنا کس طرح محوِ رُخِ روشن
رُخِ روشن تمہارا نُور ہے چشمِ تمنا کا

مری آنکھوں سے ہے کیفیتِ مستیِ دل پیدا
لبِ ساغر سے افشا ہو رہا ہے راز مینا کا

کمالِ یاس حاصل ہو گیا آخر مجھے اکبر
بہت روزوں سے دِل کو شغل تھا مشقِ تمنا کا

٣

غمِ فراق کا صدمہ اٹھا نہیں سکتا
اب اپنی جان میں اے جاں بچا نہیں سکتا

کسی کو رنگِ محبت دکھا نہیں سکتا
جو دل میں ہے وہ زباں پر میں لا نہیں سکتا

حیائے حُسن انہیں ہے حجابِ عشق مجھے
غرض وہ آنہیں سکتے میں جا نہیں سکتا

یہ کہہ کے اُٹھ گئے ہنگامِ نزع مجھ سے رفیق
یہ راہ وہ ہے کوئی ساتھ جا نہیں سکتا

لگالے سینے سے یا قتل کر مجھے ظالم
ترے قدم سے میں اب سر اُٹھا نہیں سکتا

تمھیں ملو تو ملو ورنہ اور سے کیا کام
میں اپنے دِل کو کہیں اب لگا نہیں سکتا

نظر لگائے ہیں دل پر ہر اک طرف سے حسیں
کسی طرح سے میں پہلو بچا نہیں سکتا

گزر چکا ہے مرا کام ضبط سے اکبر
میں رازِ عشق اب اپنا چھپا نہیں سکتا

(۴)

تم نے بیمار محبت کو ابھی کیا دیکھا
جو یہ کہتے ہوئے جاتے ہو کہ دیکھا دیکھا

طفلِ دل کو مرے کیا جانے لگی کس کی نظر
میں نے کمبخت کو دو دن بھی نہ اچھا دیکھا

لے گیا تھا طرف گورِ غریباں دلِ زار
کیا کہیں تم سے جو کچھ واں کا تماشا دیکھا

وہ جو تھے رونقِ آبادی گلزار جہاں

سر سے پا تک انھیں خاکِ رہِ صحرا دیکھا

کل تلک محفلِ عشرت میں جو تھے صدر نشیں

قبر میں آج انھیں بے کس و تنہا دیکھا

بسکہ نیرنگیِ عالم پہ اسے حیرت تھی

آئینہ خاکِ سکندر کو سراپا دیکھا

سرِ جمشید کے کاسے میں بھری تھی حسرت

یاس کو معتکف تربت دارا دیکھا

﴿۵﴾

وصلِ جاناں کی دلِ زار کو حسرت ہی رہی .... پر میسر نہ ہوا

عمر بھر جان پہ فرقت کی مصیبت ہی رہی .... تھا یہ قسمت کا لکھا

تم نے جو بات کہی میں نے دل و جاں سے وہ کی .... نہ کیا عذر کبھی

تم کو اس پر بھی مگر مجھ سے شکایت ہی رہی .... پھل یہ خدمت کا ملا

چشمہ چشم سے اشکوں کی بھی موجیں نکلیں .... ٹھنڈی سانسیں بھی بھریں

آتشِ غم کی مگر دل میں حرات ہی رہی .... نہ ہوا فرق ذرا

کھائیں سو مرتبہ قسمیں کہ ہوں عاشق تجھ پر .... نہیں اوروں پہ نظر

بدگمانی مگر اس شوخ کی عادت ہی رہی .... صاف مجھ سے نہ ہوا

ایک تم ہو کہ ہزاروں ہی کے مجھ پہ ستم .... مل کے غیروں سے بہم

ایک میں ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہی رہی .... کبھی شکوہ نہ کیا

دشمنوں نے تو بہت بات بنائی جا کر .... کہ وہ بگڑیں مجھ پر

حال پر میرے مگر اُن کی عنایت ہی رہی .... کچھ کسی سے نہ ہو

ہے تمہاری بھی عجب سخت طبیعت بخدا .... رحم دل میں نہ مزا

منتیں کرتے رہے ہم تمہیں وحشت ہی رہی .... پاس بیٹھے نہ ذرا

منزل گور میں تنہا مجھے سب چھوڑ چلے .... اپنے بیگانے جو تھے

ساتھ دینے کو فقط اس کی عنایت ہی رہی .... اور کوئی نہ رہا

ہم نشیں اٹھ گئے اس بزم سے اپنے اکبر ....تم بھی بس باندھو کمر

نہ وہ جلسے ہی رہے اب نہ وہ صحبت ہی رہی ....کیا ہے جینے کا مزا

﴿۶﴾

مائل دلِ وحشی ہے کسی زلفِ دوتا کا

سودا مرے دیوانے کو ہے دامِ بلا کا

انکارِ وصال ان کے لبوں پر یہ نہیں ہے

پیغام میں سنتا ہوں مسیحا سے قضا کا

﴿۷﴾

یار نے کچھ خبر نہ لی دل نے جگر نے کیا کیا

نالۂ شب سے کیا ہوا آہ سحر نے کیا کیا

دونوں کو پا کے بے خبر کر گئے کام حسن و عشق

دل نے ہمارے کیا کیا ان کی نظر نے کیا کیا

صاحبِ تاج و تخت بھی موت سے یاں نہ بچ سکے

جاہ و حشم سے کیا ہوا کثرتِ زر نے کیا کیا

کُھل گیا سب پہ حالِ دل ہنستے ہیں دوست برملا

ضبط کیا نہ رازِ عشق دیدۂ تر نے کیا کیا

اکبر خستہ دل کا حال قابلِ رحم ہوگیا

اس سے سلوک کیا کہوں تیری نظر نے کیا کیا

﴿۸﴾

ہجوم غم سے اِن روزوں ہے دل زیر و زبر اپنا
بحقِ احمدِ مرسَل الٰہی فضل کر اپنا
نصیحت واعظوں کی اب کرے گی کیا اثر اپنا
زمانہ ہوچکا ہے یونہیں رندی میں بسر اپنا
نہ روؤں کس طرح غربت میں میں دل کھول کر اپنا
حجاب اب ہے یہاں کس کا نہ شہر اپنا نہ گھر اپنا
رہ و رسمِ محبت ان حسینوں سے میں کیا رکھوں
جہاں تک دیکھتا ہوں نفع ان کا ہے ضرر اپنا
رہے آوارہ یوں اک عمر دنیا میں تو کیا حاصل
مزا تب تھا بنا لیتے کسی کے دل میں گھر اپنا
محل غیرت کھل گئی اپنے پرائے طعنے دیتے ہیں
عجب عالم ہے غیرت سے اُدھر اُن کا اِدھر اپنا
محبت میں یہ ناصح اور بھی اک قہر ڈھالتے ہیں
نکہیں کیا ناک میں دل ہے اُدھر ان کا اِدھر اپنا

﴿۹﴾

گلستانِ مضا میں بسکہ ہے مدِّ نظر اپنا
گُلِ تر سے لطافت میں فزوں ہے شعر تر اپنا
ہوا ہے بے خودی کے کوچہ میں جب سے گذر اپنا

نگاہِ شوق سے میں خود ہوں منظورِ نظر اپنا
اٹھاتا تھا ہزاروں سختیاں دل میں اسے رکھ کر
مرے سنگ لحد پر آرزو پٹکے گی سر اپنا
عروج ہستی فانی پہ کیا سرگرمِ عشرت ہوں
فروغِ چند ساعت ہے یہاں مثلِ شرر اپنا
جگہ دے آمد آمد ہے نویدِ وصلِ جاناں کی
اٹھالے سینہ سے بستر تو اے دردِ جگر اپنا
نہیں کچھ آج ہی ہے میری قسمت میں پریشانی
ازل سے حصہ سودائے گیسو میں ہے سر اپنا
لحد کی فکر بھی لازم ہے منعم قصرِ عالی میں
مالِ کار بھی کچھ سوچ لے اسے بے خبر اپنا
امانت عشق کی بعد اپنے کیا جانے ملے کس کو
نہیں معلوم جائے کس کے سر یہ درد سر اپنا
غرض کیا ان کو ہے پاپوش ان کی پاؤں دھوتی ہے
لئے پھرتا ہے کیوں مہرِ فلک یہ طشتِ زر اپنا
نگاہِ شوق پر دستِ ہوس کو کیوں نہ رشک آئے
کہ یہ مجبور ہیں وہ کام کرتی ہے ادھر اپنا
کہیں دیکھا نہ ہستی و عدم کا اشتراک ایسا
جہاں میں مثل رکھتی ہی نہیں ان کی کمر اپنا
نہایت جلد آکر باعثِ تسکین خاطر ہو
سراپا منتظر سمجھے مجھے ان کی خبر اپنا

نہیں پاتی نہیں پاتی رسائی گوشِ جاناں تک
بدلتی ہے طریقہ سَو طرح میری خبر اپنا
غزل ایسی پڑھو مملو جو ہو عالی مضامین سے
کرو اب دوسرے کوچے میں اے اکبر گذر اپنا

۱۰

حباب آسا اٹھایا بحرِ ہستی میں جو سر اپنا
بنایا بس وہیں موجِ فنا نے ہم سفر اپنا
بسر تیرہ درونوں میں ہو کیوں کر اہل بنیش کی
اندھیرے میں نہیں کچھ کام کرسکتی نظر اپنا
پہنچ جاؤں گا سجدوں سے مقامِ قربِ باری میں
خطِ موہم کو ہے نقطۂ فرضی سے اک نسبت
تمہیں اپنے دہن سے کچھ کرو وصفِ کمر اپنا
تصور بھی کبھی مرقد کا آتا تھا نہ دنیا میں
یہ غفلت تھی کہ ہم بھولے ہوئے بیٹھے تھے گھر اپنا
توحید میں کھٹکا نہیں ہے غیر کا مجھ کو
خودی کا خوف ہے لیکن رہا کرتا ہے ڈر اپنا
نزاکت کے اثر سے شعر میں بھی بندھ نہیں سکتا
بچا جاتا ہے پہلو مجھ سے مضمونِ کمر اپنا
ہماری سرخی داغِ جگر سے زرد رُو ہوں گے
جمائیں گے وہاں کیا رنگِ الفت اہلِ زر اپنا

تردو کچھ نہیں ایذاد ہندوں کو رسائی میں
تمنا بے تکلف دل میں کر لیتی ہے گھر اپنا
نسیم عیش ہو یا صرصرِ غم ہم نہیں ہٹتے
جما ہے پائے استقلال یہاں مثلِ شجر اپنا

﴿۱۱﴾

جو پیش چشم معنی جلوۂ حسن بشر آیا
تماشا پرتوِ انوارِ خالق کا نظر آیا
رہا دم بھر فروغ اس کو کبھی جو اوج پر آیا
مرے حصہ میں شاید اخترِ بختِ شرر آیا
تصور جلوۂ توحید کا ہے مثلِ آئینہ
کیا شوقِ تماشا جب کبھی میں خود نظر آیا
تصور ان کے عارض کا زبس رنگین و نازک تھا
پری بن کر ہمارے شیشہ دِل میں اُتر آیا
ملا ہے ہم کو یہ مضمون روشن چشم بینا سے
کہ چھوڑی جس نے خود بینی اسے سب کچھ نظر آیا
گیا تھا ہو کے رخصت صورتِ تسکین دل مجھ سے
برنگِ ہوش واں سے پھر کے اپنا نامہ بر آیا
حسینوں کو ترے ہوتے ہوئے اے بت میں کیا دیکھوں
مجھے تو حُسن تیرا خود تماشائی نظر آیا
ہوا ہے باعثِ ایجاد عالم حسن یہ کس کا

یہ کس کے دیکھنے کو مجمع اہلِ نظر آیا
جگہ بھی بیٹھنے کی اب مجھے ملتی نہیں صاحب
وہی اچھا رہا اس بزم میں جو پیشتر آیا
سوا افسانہ دل کے کہا بھی کچھ نہیں میں نے
یہ غصہ آپ کو فرمایئے کس بات پر آیا
ہوئے سر سبز لاکھوں نخل اس گلزار ہستی میں
نہ لیکن رنگ پر اپنی تمنا کا شجر آیا

۱۲

نہ حاصل ہوا صبر و آرام دِل کا
نہ نکلا کبھی تم سے کچھ کام دل کا
محبت کا نشہ رہے کیوں نہ ہر دم
بھرا ہے مئے عشق سے جام دِل کا
پھنسایا تو آنکھوں نے دام بلا میں
مگر عشق میں ہوگیا نام دِل کا
ہوا خوب رُسوا یہ عشق بتاں میں
خدا ہی ہے اب میرے بدنام دِل کا
یہ بانکی ادائیں یہ ترچھی نگاہیں
یہی لے گئیں صبر و آرام دِل کا
دھواں پہلے اُٹھتا تھا آغاز تھا وہ
ہوا خاک اب یہ ہے انجام دِل کا

جب آغاز الفت ہی میں جل رہا ہے
تو کیا خاک بتلاؤں انجام دِل کا

خدا کے لیے پھیر دو مجھ کو صاحب
جو سرکار میں کچھ نہ ہو کام دِل کا

پسِ مرگ ان پر کھلا حالِ الفت
گئی لے کے رُوح اپنی پیغام دِل کا

پڑپتا ہوا یو نہیں پایا ہمیشہ
کہوں کیا میں آغاز و انجام دل کا

دل اس بے وفا کو جو دیتے ہو اکبر
تو کچھ سوچ لو پہلے انجام دِل کا

۱۳

فروغِ کم بضاعت رونقِ عالم نہیں ہوتا
مہِ نَو بدر ہو کر نیرِ اعظم نہیں ہوتا

بتوں کے قول سے شاداں دلِ پر غم نہیں ہوتا
دل ان کا سنگ ہے پر عہد مستحکم نہیں ہوتا

خدا محفوظ رکھے الفتِ مژگانِ خوباں سے
یہ ذوقِ نشترِ دل مرتے مرتے کم نہیں ہوتا

مقامِ بے خودی میں آرزو کیا عرضِ مطلب کیا
وہاں یہ دل نہیں ہوتا ہے یہ عالم نہیں ہوتا

صفائے سینہ تک دستِ تصور کس طرح پہنچے

وہ سینہ آشنائے دستِ نامحرم نہیں ہوتا
تمہارے وعظ میں تاثیر تو ہے حضرت واعظ
اثر لیکن نگاہِ ناز کا بھی کم نہیں ہوتا
تمنائے وصالِ یار مین ہر وقت روتا ہوں
فراقِ آستیں وہ دیدۂ پر نم نہیں ہوتا
شکستہ سوختہ مجروح اس پر یہ تمنائیں
دلِ عاشق سا دنیا میں کوئی بے غم نہیں ہوتا

۱۴

اگر دل واقفِ نیرنگیِ طبعِ صنم ہوتا
زمانہ کی دو رنگی کا اسے ہرگز نہ غم ہوتا
یہ پابند مصیبت دل کے ہاتھوں ہم تو رہتے ہیں
نہیں تو چین سے کٹتی نہ دل ہوتا نہ غم ہوتا
انھیں کی بے وفائی کا یہ ہے آٹھوں پہر صدمہ
وہی ہوتے جو قابو میں تو پھر کا ہے کو غم ہوتا
لب و چشم صنم گر دیکھنے پاتے کہیں شاعر
کوئی شیریں سخن ہوتا کوئی جادو رقم ہوتا
بہت اچھا ہوا آئے نہ وہ میری عیادت کو
جو وہ آتے تو غیر آتے جو غیر آتے تو غم ہوتا
اگر قبریں نظر آتیں نہ دارا و سکندر کی
مجھے بھی اشتیاقِ دولتِ جاہ و حشم ہوتا

لیے جاتا ہے جوشِ شوق ہم کو راہِ الفت میں
نہیں تو ضعف سے دشوار چلنا دو قدم ہوتا
نہ رہنے پائے دیواروں میں روزن شکر ہے ورنہ
تمھیں تو دل لگی ہوتی غریبوں پر ستم ہوتا

﴿۱۵﴾

نہ پروانے سے محفل اور نہ بلبل سے چمن چُھوٹا
مجھی سے جلسۂ رنگین یارانِ وطن چُھوٹا
وہ ترچھی نظروں سے دیکھا کئے اور میں رہا بسمل
نہ بے تابی گئی میری نہ ان کا بانکپن چھُوٹا

﴿۱۶﴾

روشن دل عارف سے فزوں ہے بدن ان کا
رنگین ہے طبیعت کی طرح پیرہن ان کا
محروم ہی رہ جاتی ہے آغوشِ تمنا
شرم آکے چرا لیتی ہے سارا بدن ان کا
جن لوگوں نے دل میں ترے گھر اپنا کیا ہے
باہر ہے دو عالم سے مری جاں وطن ان کا
ہر بات میں وہ چال کیا کرتے ہیں مجھ سے
الفت نہ نبھے گی جو یہی ہے چلن ان کا
عارض سے غرض ہم کو عنادل کو ہے گل سے
ہے کوچۂ معشوق ہمارا چمن ان کا

ہے صاف نگاہوں سے عیاں جوشِ جوانی
آنکھوں سے سنبھلتا نہیں مستانہ پن ان کا
یہ شرم کے معنی ہیں حیا کہتے ہیں اس کو
آغوشِ تصور میں نہ آیا بدن ان کا
غیروں ہی پہ چلتا ہے جواب ناز کا خنجر
کیوں پیچ میں لایا تھا مجھے بانکپن ان کا
غیروں نے کبھی پاک نظر سے نہیں دیکھا
وہ اس کو نہ سمجھیں تو یہ ہے حسن ظن ان کا
اس زلف و رُخ و لب پہ انھیں کیوں نہ ہو نخوت
تاتار ہے اُن کا حلب اُن کا یمن اُن کا
اللہ رے فریبِ نظر چشم فسوں ساز
بندہ ہے ہر اک شیخ ہر اک برہمن ان کا
آیا جو نظر حُسنِ خداداد کا جلوہ
بت بن گیا منہ دیکھ کے ہر برہمن ان کا
مرقد میں اتارا ہمیں تیوری کو چڑھا کر
ہم مر بھی گئے پر نہ چھٹا بانکپن ان کا
گذری ہوئی باتیں نہ مجھے یاد دِلاؤ
اب ذکر ہی جانے دو بس اے جانِ من اُن کا
دلچسپ ہے آفت ہے قیامت ہے غضب ہے
بات اُن کی ادا اُن کی قد اُن کا

﴿۱۷﴾

پوشیدہ آنکھوں میں کبھی دل میں نہاں رہا
برسوں خیالِ یار مرا میہماں رہا
فریاد کس کی تھی پسِ دیوار رات بھر
کیا مجھ سے پوچھتے ہو تو کل شب کہاں رہا
بے جا مرے سفر پہ ہیں یہ بدگمانیاں
پیشِ نظر تمھیں تو رہے میں جہاں رہا

﴿۱۸﴾

مصحفِ رخسارِ یوسف میں ہو جب تفسیر خواب
کیا زلیخا کو عزیز مصر دے تعبیر خواب
اگلی باتیں سن کے عبرت کے عوض غفلت نہ کر
غافلوں کے واسطے افسانہ ہے تدبیر خواب
کوچہ جاناں سے اُٹھتا ہوں تو سو جاتے ہیں پاؤں
ہے طلسم تازہ بیڑی کے عوض زنجیرِ خواب
خواب تھیں بیداریاں اس ہستی موہوم کی
گور میں خوابِ فنا سے مل گئی تعبیرِ خواب
برق کا جلوہ نظر آیا ہے مجھ کو خواب میں
قرب ان سے ہوگا اُلٹی ہے اگر تعبیرِ خواب
وصل میں شوقِ تماشہ ہجر میں اشکوں کا جوش
عاشقی میں الغرض ممکن نہیں تدبیر خواب

قتل کرتا ہے تو اے ساختہ سونا مجھے
اس ادائے خواب کو کہتا ہوں میں شمشیرِ خواب

اِس زمیں میں اور بھی پڑھیئے غزل اکبر کوئی
پڑگئی ہو گر نہ پائے فکر میں زنجیر خواب

۱۹

ہم جو سمجھے تھے نہ وہ حاصل ہوئی تعبیر خواب
خواب میں بھی پھر نظر آئی نہ وہ تصویرِ خواب

عالم ایجاد بھی اک عالم موہوم ہے
جتنی تعمیریں ہیں یاں کی ہیں یہ سب تعمیرِ خواب

خواب میں دیکھا کہ وہ دامن چھڑا کر چل دیئے
حشر کے دن ہوں گے یا رب ہم گریباں گیر خواب

کون ایسا ہے جو ہر شب چین سے سوتا نہیں
اک ہمیں محروم ہیں اے فیض عالمگیر خواب

حضرت یوسف کو لپٹا کر زلیخا نے کہا
آپ کے ملنے سے مجھے کو مل گئی تعبیرِ خواب

خواب میں شاید کہی ہے تم نے اکبر یہ غزل
سارے مضموں ہیں خیالی ہے یہ سب تقریرِ خواب

۲۰

نظر آتی نہیں جب ان میں اثر کی صورت
فائدہ کیا جو ہوئے اشک گہر کی صورت

خانۂ دل کو کیا عشق بتاں نے برباد
کیا سے کیا ہوگئی اللہ کے گھر کی صورت
حُسن کے واسطے لازم ہے تلون شاید
دیکھئے روز بدلتی ہے قمر کی صورت
ہم نے مخلوق میں خالق کی تجلی پائی
دیکھ لی آئینہ میں آئینہ کی صورت

۲۱

دلِ رنگین بھی عجب دل ہے مگر قہر ہے یہ
خون ہو جاتا ہے مصروفِ تمنا ہو کر
مرض عشق سے صحت نہیں ہوتی تو نہ ہو
کام ہی کیا کروں گا جسے اچھا ہو کر
عالم اس کے رُخِ زیبا کا بیاں ہو کس سے
حُسن حیرت میں ہے خود محوِ تماشا ہو کر

۲۲

بتوں کی مجھ کو یہ ترچھی نظر نہیں منظور
خرابی دل و جان و جگر نہیں منظور
وہ ٹالتے ہیں عبث آج کل پہ وعدۂ وصل
جواب صاف نہ دے دیں اگر نہیں منظور
یہاں کے آنے میں تکلیف ہوگی ان کو کمال
اسی سے جذبۂ دل کا اثر نہیں منظور

وہ خود رقیبوں سے ملنا جو ترک کرتے ہیں
تو خیر مجھ کو بھی اب ان سے شر نہیں منظور

مرض ہزار بلاخیز ہو پسند ہے وہ
دوا میں لاکھ شفا ہو مگر نہیں منظور

ہزار بے اثری ہو رہے گا ضبط مجھے
فغاں میں لاکھ اثر ہو مگر نہیں منظور

نہ ہو عروج نہ ہو بے فروغ ہوں تو رہیں
یہ سرکشی تو بسانِ شرر نہیں منظور

قبول سایہ دیوارِ یار میں رہنا
ہما کا سایہ مگر فرق پر نہیں منظور

ہزار نوکِ سناں سینہ پر گوارا ہے
مگر یہ کاوشِ تیرِ نظر نہیں منظور

اداس ہوتے ہو کیوں بیٹھوں پھر چلے جانا
تمہارا روکنا کچھ رات بھر نہیں منظور

جو گھر سے نکلا تو ظالم مرے دکھانے کو
اُدھر چلا ہے کہ جانا جدھر نہیں منظور

عدم کو جاتا ہوں احباب دیکھ لیں آ کر
وہیں رہوں گا اب آنا ادھر نہیں منظور

ازل میں خالقِ برحق سے رُوح کا تھا یہ قول
بغیر عشق لباسِ بشر نہیں منظور

وہ دل پسند نہیں جس میں جائے درد نہ ہو

ہوائے غم نہ ہو جس میں وہ سر نہیں منظور

محل امن یہی ہے کہ سب بھلائے رہیں

کسی کے دل میں مجھے اپنا گھر نہیں منظور

خیالِ وصل بتاں چھوڑ دو بس اے اکبر

تڑپنا رُوح کا آٹھوں پہر نہیں منظور

﴿۲۳﴾

مندرجہ ذیل غزل ۱۸۷۰ء یعنی پچیس سال کی عمر میں لکھی گئی تھی۔ مگر کسی وجہ سے دو رِ دوم میں درج ہے۔ میں نے بھی اسے یہیں رہنے دیا۔

آ گیا وقتِ اجل اے شوقِ دنیا الوادع

الوداع اے حسرت دل اے تمنا الوداع

الوداع اے ساقی مے خانہ طولِ اَمل

اے سرور بادۂ امیدِ فزوا الوداع

اے خمِ محرابِ ایوانِ خوش آئین السلام

اے شکوہ رفعت قصرِ معلّیٰ الوداع

الوداع اے مسند و فرش و قبا و پیرہن

اے حریر و اطلس و کمخواب و دیبا الوداع

الوادع اے رنگ وحشت الوداع اے فرطِ شوق

رخصت اے جوشِ جنوں اے سیر صحرا الوداع

الوداع اے جلوۂ نیرنگی حُسنِ بتاں

اے خیالِ عارض و زلف چلیپا الوادع

الوداع اے عالمِ نیرنگیِ باغِ جہاں
اے نگاہِ دیدۂ محوِ تماشا الوداع
عازمِ ملکِ عدم ہے اکبرِ خونیں جگر
الوداع اے عمر اے بزمِ احبا الوداع

﴿۲۴﴾

ہوا پھر قیدیِ زلفِ دوتا دِل
بلا میں ہوگیا پھر مبتلا دِل
نگاہیں، چتونیں، عشوے، کرشمے
اُدھر اتنے اِدھر تنہا مرا دِل
نہ چھوڑا آتشِ اُلفت نے پیچھا
جگر جلنے لگا جب جل چکا دِل
لگاوٹ غیر سے ہم سے رُکھائی
انھیں باتوں سے تجھ سے پھر گیا دِل
یہ وقتِ نزع ہے دم بھر تو ٹھہرو
نہ توڑو عاشقِ رنجور کا دِل
بڑے صدمے اُٹھائے تم نے اکبر
بتوں کو اب نہ دو بہرِ خدا دِل

﴿۲۵﴾

عہدِ طفلی سے ہے مذہب میں گرفتاریِ دل
ساتھ ساتھ اپنے بڑھائی ہے یہ بیماریِ دل

نئے انجام مبارک رہیں نوخیزوں کو
میں ہوں اور آرزوئے مرگ و وفاداری دل

زلفِ اسلام میں الجھے ہوئے مدت گذری
اب کہاں چھوڑتی ہے مجھ کو وفا داری دل

میں تو شیدائے رسولِ عربی ہوں اکبر
بخدا ہے بس انھیں سے لیے سرداری دِل

﴿۲۶﴾

حاصلِ عمر سوا موت کے جب کچھ بھی نہیں
چار دن کے لیے یہ عیش و طرب کچھ بھی نہیں

وجہ کیا تم سے کہوں اس کی طبیعت ہی تو ہے
دل کو اک جوش ہے روتا ہوں سبب کچھ بھی نہیں

زندگی میں تو رہا کرتے تھے کیا کیا ساماں
قبر میں بعدِ فنا آئے تو اب کچھ بھی نہیں

نہ تو خَوت ہی میسر ہے نہ کچھ لطف کی بات
کیوں بلایا ہے مجھے آپ نے جب کچھ بھی نہیں

نہ وہ احباب نہ وہ لوگ نہ وہ شمع نہ بزم
صبح دم وہ اثر جلسۂ شب کچھ بھی نہیں

کوئی اکبر سا بھی دیوانہ نظر آیا ہے کم
پہروں روتا ہے جو پوچھو تو سبب کچھ بھی نہیں

﴿۲۷﴾

سنبھالیں دل کو کہ ہم حالتِ جگر دیکھیں
تمام آگ لگی ہے کدھر کدھر دیکھیں

کریں نہ لطف و کرم وہ تو کیا وفا نہ کروں
یہی سمجھ ہے تو اچھا ستم بھی کر دیکھیں

یہ کہہ کے روح نے دل کو کیا سپرد ان کے
کہ ہم تو جاتے ہیں اب آپ اپنا گھر دیکھیں

تڑپ کے جان ابھی دوں کہ ہوں خجل اغیار
خدا کرے کہ مجھے بھی وہ اک نظر دیکھیں

کبھی تو بوسہ سیبِ ذقن عنایت ہو
نہال عیش کو اک دن تو بارور دیکھیں

﴿۲۸﴾

زہاد خشک حُسنِ بتاں سے ہیں بے نصیب
آنکھیں خدا نے دی ہیں مگر دیکھتے نہیں

میں جن کے دیکھنے کو سمجھتا ہوں زندگی
ان کا یہ حال ہے کہ اِدھر دیکھتے نہیں

تاثیر انتظار نے یہ حال کر دیا
آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر دیکھتے نہیں

بے خوف دل کو کرتے ہو پامال اے بتو
یہ شوخیاں، خدا کا بھی گھر دیکھتے نہیں

دوڑے تو ڈالنے دو ذرا چشمِ شوق کو
دیکھیں گے کس طرح وہ اِدھر دیکھتے نہیں

زخمی تری نظر سے بھی ہو ضبط بھی کرے
اتنا ہم اپنے دل کا جگر دیکھتے نہیں

میری جو پوچھتے ہو تو دیتا ہوں ان پہ جان
ان کا یہ حال ہے کہ ادھر دیکھتے نہیں

ہے انقلاب حسن کے عالم میں کس قدر
دو دن بھی ایک شکل قمر دیکھتے نہیں

اکبر نہ سینک شعلۂ حُسنِ بتاں پہ آنکھ
عاقل جو لوگ ہیں وہ ادھر دیکھتے نہیں

﴿۲۹﴾

رقیب تیرہ باطن کو جگہ دے رکھی ہے دل میں
نہیں کچھ اور عیب اس کے سوا، اس ماہِ کامل میں

نہ پوچھو وسعت اندیشہ عشاق قامت کو
یہ وہ ہیں سو قیامت گم ہے ان کے گوشۂ دل میں

بہت عاشق مگر صورت سے معنی بھی تو ہوں پیدا
بہت مجنوں مگر جلوہ تو ہو لیلیٰ کا محمل میں

زبانوں کو نہیں کھلنے کی طاقت بزم میں تیری
نگاہوں کو نہیں یارا کہ اٹھیں تیری محفل میں

بہت آسان ہے تشریح منطق کے نتیجوں کی
بہت مشکل ہے لیکن فرق کرنا حق و باطل میں

﴿۳۰﴾

سو جان سے محوِ رُخِ جاناں ہیں تو ہم ہیں
اس آئینہ خانہ میں جو حیراں تو ہم ہیں
گلگشت کریں پھول چنیں ان کو ہے کیا غم
آوارۂ صحرائے مغیلاں ہیں تو ہم ہیں
بھڑکی ہوئی ہے آتشِ گل اپنے ہی دم سے
سوزِ جگرِ بلبلِ نالاں ہیں تو ہم ہیں
شور اپنے ہی جلوے کا ہے یہ دیر و حرم میں
مقصودِ دلِ گبرو مسلماں ہیں تو ہم ہیں
اے برق پڑپنے میں ہمیں ہیں تری ساتھی
اے ابر ترے ساتھ جوگریاں ہیں تو ہم ہیں
دن رات رقیبوں پہ ہے صاحب کی عنایت
بس ایک غمِ ہجر میں نالاں ہیں تو ہم ہیں

﴿۳۱﴾

آچکی بس مرے حصہ میں شبِ وصل اے دل
گردشِ چرخ میں ایسے مرے مقسوم نہیں
بعد مدت کے جو تقریر بھی کی تم نے تو وہ
جس کے مطلب نہیں معنی مفہوم نہیں
کمرِ یار ہے باریکی سے غائب ہر چند
مگر اتنا تو کہوں گا کہ وہ معدوم نہیں

ترچھی چتون سے خدا جانے وہ دیکھیں مجھے کب
موت کا وقت کسی شخص کو معلوم نہیں

میرا احوال جو یاروں نے کہا کچھ ان سے
ہنس کے فرمایا کہ ہوگا مجھے معلوم نہیں

دم نکلتا ہے ہمارا خبر ان کو نہیں کچھ
جان جاتی ہے ہماری انھیں معلوم نہیں

جب کہا میں نے مرے حصہ میں آو گے کبھی
ہنس کے فرمایا کہ ایسے ترے مقسوم نہیں

خوب کرتا ہوں رقیبوں کی برائی ان سے
مذہب عشق میں غیبت کہیں مذموم نہیں

﴿۳۲﴾

حرم کیا دیر دونوں یہ ویراں ہو تے جاتے ہیں
تمہارے معتقد گبرو مسلماں ہو جاتے ہیں

الگ سب سے نظر نیچی خرام آہستہ آہستہ
وہ مجھ کو دفن کرکے اب پشیماں ہوتے جاتے ہیں

سوا طفلی سے بھی ہیں بھولی باتیں اب جوانی میں
قیامت ہے کہ دن پر دن وہ ناداں ہو جاتے ہیں

کہاں سے لاؤں گا خونِ جگر ان کے کھلانے کو
ہزاروں طرح کے غم دل کے مہماں ہوتے جاتے ہیں

خرابی خانہ ہائے عیش کی ہے دَور گردُوں میں

جو باقی رہ گئے ہیں وہ بھی ویراں ہوتے جاتے ہیں

بیاں میں کیا کروں دل کھول کر شوقِ شہادت کو
ابھی سے آپ تو شمشیرِ عریاں ہوتے جاتے ہیں

غضب کی یاد ہیں عیاریاں واللہ تم کو بھی
غرض قائل تمہارے ہم تو اے جاں ہوتے جاتے ہیں

اِدھر ہم سے بھی باتیں آپ کرتے ہیں لگاوٹ کی
اُدھر غیروں سے بھی کچھ عہد و پیماں ہوتے جاتے ہیں

۳۳

غم ہے اتنا کہ دلِ زار پہ قابو بھی نہیں
ضبط یہ ہے کہ کہیں آنکھ میں آنسو بھی نہیں

کیا مرے عہد میں بدلی ہے گلستاں کی ہوا
رنگ کیسا کہ کسی پھول میں خوشبو بھی نہیں

۳۴

جفائیں جھیل کر تاثیرِ الفت کی دکھاتے ہیں
خا کی طرح پس لیتے ہیں تب ہم رنگ لاتے ہیں

فدا سو جان سے ہوتا ہوں پروانوں کی ہمت پر
جلے جاتے ہیں لیکن شمع سے لپٹے ہی جاتے ہیں

کھلایا غم پلایا خون دل مہمان نوازی کی
ترے احسان مند اے چرخ ہم دنیا سے جاتے ہیں

خودی و بے خودی دونوں میں عکس صورتِ جاناں

اسی کو جلوہ گر پاتے ہیں جس عالم میں پاتے ہیں

سحر کو در پہ جاتا ہوں تو فرماتے ہیں اندر سے

ابھی سو کر اٹھے ہیں ہاتھ منہ دھوتے ہیں آتے ہیں

﴿۳۵﴾

چرخ نے برہم کیا جس کو وہ صحبت خوب تھی

مٹ گئی جو قسمت بد سے وہ رنگت خوب تھی

صحبتِ باہم میں تو اب روز رہتا ہے فساد

ہم سے ان سے دور کی صاحب سلامت خوب تھی

مار ڈالا رنج تنہائی نے غربت میں ہمیں

اب خیال آیا کہ یاروں ہی کی صحبت خوب تھی

جان دی شیریں نے اس پر اس پہ لیلیٰ مرگئی

عشق میں فرہاد و مجنوں کی بھی قسمت خوب تھی

﴿۳۶﴾

غم نہیں اِس کا جو شہرت ہوگئی

ہوگئی اب تو محبت ہوگئی

اب کہاں اگلے سے وہ راز و نیاز

مل گئے صاحب سلامت ہوگئی

ہائے کیا دلکش ہے اس کی چشم مست

آنکھ ملتے ہی محبت ہوگئی

چودھواں سال ان کو ہے نامِ خدا

عمر آفت تھی قیامت ہوگئی
ناز سے اس نے جو دیکھا شیخ کو
ان کی دینداری ہی رخصت ہوگئی

﴿۳۷﴾

خدا کا گھر بنانا ہے تو نقشہ لے کسی دل کا
یہ دیواروں کی کیا تجویز ہے زاہد یہ چھت کیسی
یہ کارِ عاشقی ہے دل لے جائے جا اکبر
یہ بحثیں اس میں کیا ہیں مشورہ کیا مصلحت کیسی

﴿۳۸﴾

تمہیں سے ہوئی مجھ کو الفت کچھ ایسی
نہ تھی ورنہ میری طبیعت کچھ ایسی
جہاں دل دُکھا بس نکل آئے آنسو
بگاڑی محبت نے عادت کچھ ایسی
حیا کی نگاہوں نے مارا ہے مجھ کو
نہیں چتونوں کی شرارت کچھ ایسی
گرے میری نظروں سے خوبانِ عالم
پسند آگئی تیری صورت کچھ ایسی
میں رونے لگا حالِ دل ان کو برہم کیا
نہ تھی ورنہ رنجش کی صورت کچھ ایسی
بسر کیوں نہ ہو عشقِ خوباں میں اکبر

خدا ہی نے دل ہے طبیعت کچھ ایسی

﴿۳۹﴾

حسینوں کے گلے سے لگتی ہے زنجیر سونے کی
نظر آتی ہے کیا چمکی ہوئی تقدیر سونے کی

نہ دل آتا ہے قابو میں نہ نیند آتی ہے آنکھوں میں
شب فرقت میں کیوں کر بن پڑے

یہاں بیداریوں سے خونِ دل آنکھوں میں آتا ہے
گلابی کرتی ہے آنکھوں کو واں تاثیر سونے کی

بہت بے چین ہوں نیند آ رہی ہے رات جاتی ہے
خدا کے واسطے جلد اب کرو تدبیر سونے کی

یہ زرود چیز ہے جو ہر جگہ ہے باعثِ شوکت
سنی ہے عالمِ بالا میں بھی تعمیر سونے کی

ضرورت کیا ہے رکنے کی مرے دل سے نکلتا رہ
ہوس مجھ کو نہیں اے نالۂ شبگیر سونے کی

چھپر کھٹ یاں جو سونے کی بنائی اس سے کیا حاصل
کرو اے غافلوں کچھ قبر میں تدبیر سونے کی

﴿۴۰﴾

نظر لطف و کرم یار کی اب وہ نہ رہی
پہلے اک بات جو تھی پیار کی اب وہ نہ رہی

ناامیدی سی ہوئی دیکھ کے غیروں کا ہجوم

آرزو تیرے طلب گار کی اب وہ نہ رہی
وہ لگاوٹ تھی فقط دل کے لبھانے کے لئے
مہربانی بُتِ عیّار کی اب وہ نہ رہی

﴿۴۱﴾

یہ دردِ دل بھی نہ تھا سوزشِ جگر بھی نہ تھی
اِن آفتوں کی تو الفت میں کچھ خبر بھی نہ تھی
زمانہ سازی ہے اب یہ کہ منتظر تھا میں
ہمارے آنے کی تم کو تو کچھ خبر بھی نہ تھی
فلک نے کیوں شبِ فرقت مجھے ہلاک کیا
جمالِ یار نہیں تھا تو کیا سحر بھی نہ تھی
تمہارے دِل کی نزاکت پہ اس کو رحم آیا
نہیں تو آہ مری ایسی بے اثر بھی نہ تھی
سمجھ میں کچھ نہیں آتا طلسمِ حُسنِ بتاں
دہن کو سمجھے تھے معدوم واں کمر بھی نہ تھی
جو آپ ہوتے ہیں منکر تو خیر میں جُھوٹا
مرا جگر بھی نہ تھا آپ کی نظر بھی نہ تھی
گزر یہ ہوگیا کیوں کر دلِ پریشاں کا
جگہ تو کوچۂ گیسو میں بال بھر بھی نہ تھی
لپٹ گئے وہ گلے سے مرے تو حیرت کیا
وہ سنگ دل بھی نہ تھے آہ بے اثر بھی نہ تھی

نگاہِ قہر سے دیکھا یہی غنیمت ہے
مجھے تو آپ سے امید اس قدر بھی نہ تھی
شہید جلوہَ مستانہ ہوگیا شبِ وصل
خوشی نصیب میں عاشق کے رات بھر بھی نہ تھی

﴿۴۲﴾

تیری نظروں سے ہماری جب نظر ملتی نہ تھی
ہم کو ایسی لذت دردِ جگر ملتی نہ تھی
ہر گلی کوچہ میں چرچا میری بیماری کا تھا
کیا کسی سے آپ کو میری خبر نہ تھی
وہ بھی کیا دن تھے تری شرم و حیا کے اے پری
آئینہ میں چشمِ جو ہر سے نظر ملتی نہ تھی

﴿۴۳﴾

میں اپنی آہ کئے جاؤں واں اثر نہ سہی
مجھے تو خبری ہے انھیں خبر نہ سہی
یہ بے حجاب سرِ شام بام پر آنا
حیا بھی تو کوئی شے ہے کسی کا ڈر نہ سہی
اثر وہی ہے محبت کا گو ہے ضبط مجھے
جگر میں درد تو رہتا ہے چشم تر نہ سہی
نکال لینے دے اے چرخ حوصلے دل کے
شباب تک تو رہے عیش عمر بھر نہ سہی

خدا کے واسطے تشریف لائیں آج ضرور
رہیں وہ دو ہی گھڑی پاس رات بھر نہ سہی

حسین جتنے ہیں خواہاں ہیں سب ترے اے دل
بس ایک ان کی توجہ نہیں اگر نہ سہی

یہ سوچ کیا ہے تجھے رنج کا ہے کون محل
تمام شہر پڑا ہے اک اُن کا گھر نہ سہی

﴿۴۴﴾

﴿یہ ۱۸۷۱ء یعنی چھبیس سال عمر کی غزل ہے مگر دور دوم میں درج ہے (مرتب)﴾

نہ خود رہے نہ حکومت رہی مسلماں کی
کہانی ہوگئی وہ سلطنت پرستاں کی

اسی کے سایہ میں ہوتی ہے میرے دل کی بسر
خدا دراز کرے عمر زلفِ پیچاں کی

خزاں میں بلبل و گل کا نشان تک نہ رہا
ہوا بدل گئی دو روز میں گلستان کی

جماتی ہے لبِ نازک پہ ان کے رنگ اپنا
یہ شوخیاں تو ذرا دیکھو سُرخی پاں کی

نگاہِ ناز بُتاں سے خدا بچائے رہے
یہ وہ نظر ہے کہ رہزن ہے دین و ایمان کی

میں اپنی راست روی کو کبھی نہ چھوڑوں گا

حضور وضع کو سیدھی بنائیں یا بانکی
طریق عشق میں ہے بے خودی کو منصب خضر
کہ رہنمائی یہ کرتی ہے کوئے جاناں کی
فریب میں بُتِ کافر کے آ گیا ہوں میں
نظر نہیں ہے خرابی پہ دین و ایمان کی
عجب ہے مجھ کو وہ کیوں شرم سے نہیں جھکتیں
جو گردنیں متحمل ہیں بارِ احساں کی
غذائے خونِ جگر عاشقوں کو کافی ہے
ہوس نہیں مجھے اے چرخ خوانِ ایواں کی
ہمیں نہیں ہیں ہوا خواہ اس چمن میں ترے
صبا بھی اک متوسّل ہے تیرے داماں کی
نہیں ہے سیب کی خواہش پے علاجِ دماغ
یہ آرزو ہے کہ بو سونگھئے زنخداں کی
عجیب رنگ نظر آیا کوئے قاتل میں
کسی کو دل کی ہے پروانہ قدر ہے جاں کی
کوئی ہے سینہ سپر تیغ ناز کے آگے
کسی کی رُوح نشانہ ہے تیرِ مژگاں کی
نہیں ہے ظلمتِ اعمال کا کچھ اندیشہ
کہ روشنی ہے مرے دل میں نور ایماں کی
وہ پونچھیں آنسو مرے آ کے اپنے دامن سے
ہے قسمت ایسی کہاں میری چشم گریاں کی

وہ چشم ہوں کہ جو ہے محوِ جلوۂ توحید
وہ دل ہوں جس میں تجلی ہے نورِ عرفاں کی
وہ حال ہوں کہ بیاں جس کا دل دُکھاتا ہے
وہ شکل ہوں کہ نشانی ہے دردِ پنہان کی
وہ ذرہ ہوں کہ بیاباں ہے گرد جس کے حضور
وہ قطرہ ہوں کہ حقیقت نہ سمجھے طوفاں کی
وہ درد ہوں جو پیامِ اجل ہے دل کے لئے
تپش وہ ہوں کہ جو بجلی ہے خرمنِ جاں کی
سکوت کیوں نہ ہو مہر لب سخن اکبر
زمانہ میں نہ رہی قدر اب سخن داں کی

(۴۵)

ہوگیا بدرِ ہلا کا سبب روشن ہے
روز گھِستا تھا ترے در پہ جبیں تھوڑی سی
منزلِ گور میں کیا خاک ملے گا آرام
خُو پڑنے کی وہی اور زمیں تھوڑی سی
آپ کو غیر کی راحت کا مبارک ہو خیال
خیر تکلیف اُٹھالیں گے ہمیں تھوڑی سی

(۴۶)

طلسم کالبد میں ہے مقید رُوح انساں کی
نہیں اربع عناصر چار دیواری ہے زنداں کی

اے سودائے گیسو ہو گیا جس نے تجھے دیکھا
پریشانی مری تصویر ہے زلفِ پریشاں کی
نہیں کچھ رنج اس ظلمت کدہ میں بے فروغی کا
تجلی پیشِ چشم اپنے ہے شمعِ نورِ ایماں کی
صبا سے کیوں نہ رو رو کر کہوں میں حالِ دل اپنا
یہی قاصد ہوا کرتی ہے اکثر کوئے جاناں کی
وہ تھا اک وقت جب سیرِ چمن میں پھول چنتے تھے
زمانہ ایک یہ ہے خاک اُڑاتے ہیں بیاباں کی
پھر آئی فصلِ گل پھر جوشِ سودا ہو گیا مجھ کو
اُڑائیں دھجیاں دستِ جنوں نے پھر گریباں کی
وہی میں ہوں کہ غیروں کو وہاں آنے نہ دیتا تھا
وہی میں ہوں کہ پہروں منّتیں کرتا ہوں درباں کی

۴۷

تمام حسرتیں پیری میں ہو گئیں رخصت
بس ایک رہ گئی مرنے کی آرزو باقی
جو ذبح کرنا ہے، پر کھول دے مرے صیاد
کہ رہ نہ جائے تڑپنے کی آرزو باقی
ہمارے شہر پہ یا رب یہ کیا پڑی آفت
نہ خُوبرُو رہے باقی نہ خوش گلو باقی

﴿۴۸﴾

پروانہ جل کے خاک ہوا شمع رو چکی
تاثیر حسن و عشق جو ہونی تھی ہوچکی

دنیا میں کون خانۂ دل کی کرے گا قدر
آبادی اس کی ایسے خرابے میں ہوچکی

بیگانہ وار رہتی ہے اب کیوں نگاہِ یار
دونوں جہان سے بھی تو یہ مجھ کو کھوچکی

اب جانِ ناتواں بھی طبیعت کی نذر ہے
ایمان و دل تو پہلے ہی الفت میں کھوچکی

تھک تھک گئی زبان دم شرح درد دل
یہ داستاں مگر نہ کبھی دوستو چکی

اکبر عروسِ دہر سے چشمِ وفا نہ رکھ
دارا وجم کی جب نہ ہوئی تیری ہو چکی

﴿۴۹﴾

خفا ہو بے سبب مجھ سے کہو میری خطا کیا ہے
چُھوا بھی زلفِ مشکیں کو تو آفت کیا بلا کیا ہے

قیامت ہے طبیعت آ گئی اُس آفتِ جاں پر
جسے اِتنا نہیں معلوم الفت کیا وفا کیا ہے

انھیں بھی جوشِ الفت ہو تو لطف اُٹھے محبت کا
ہمیں دن رات اگر تڑپے تو پھر اس میں مزا کیا ہے

مصیبت عین راحت ہے اگر ہو عاشقِ صادق
کوئی پروانے سے پوچھے کہ جلنے میں مزا کیا ہے

کوئی دن کا ہوں مہماں آ چکی ہے جان ہونٹوں پر
وہی خود دیکھ لیں آ کر کہ اب مجھ میں رہا کیا ہے

طبیبوں سے میں کیا پوچھوں علاجِ دردِ دل اپنا
مرض جب زندگی خود ہو تو پھر اس کی دوا کیا ہے

سنبھالو دل کو اکبر ہجر میں رد کو طبیعت کو
یہ رونا تڑپنا خیر ہے تم کو ہوا کیا ہے

﴿۵۰﴾

آج آرائشِ گیسوئے دوتا ہوتی ہے
پھر مری جان گرفتارِ بلا ہوتی ہے

شوق پا بوسی جاناں مجھے باقی ہے ہنوز
گھاس جو اُگتی ہے تربت پہ حنا ہوتی ہے

پھر کسی کا م کا باقی نہیں رہتا انساں
سچ تو یہ ہے کہ محبت بھی بلا ہوتی ہے

جو زمیں کوچہء قاتل میں نکلتی ہے نئی
وقف وہ بہرِ مزارِ شہدا ہوتی ہے

جس نے دیکھی ہو وہ چتون کوئی اس سے پوچھے
جان کیوں کر ہدف تیرِ قضا ہوتی ہے

نزع کا وقت برا وقت ہے خالق کی پناہ

ہے وہ ساعت کہ قیامت سے سوا ہوتی ہے
رُوح تو ایک طرف ہوتی ہے رخصت تن سے
آرزو ایک طرف دل سے جدا ہوتی ہے
خود سمجھتا ہوں کہ رونے سے بھلا کیا حاصل
پر کروں کیا یونہیں تسکین ذرا ہوتی ہے
روندتے پھرتے ہیں وہ مجمع اغیار کے ساتھ
خوب توقیر مزار شہدا ہوتی ہے
مُرغِ بسمل کی طرح لوٹ گیا دل میرا
نگہۂ ناز کی تاثیر بھی کیا ہوتی ہے
نالہ کر لینے دیں لِللہ نہ چھیڑیں احباب
ضبط کرتا ہوں تو تکلیف سوا ہوتی ہے
جسم تو خاک میں مل جاتے ہوئے دیکھتے ہیں
رُوح کیا جانے کدھر جاتی ہے کیا ہوتی ہے
ہوں فریب ستم یار کا قائل اکبر
مرتے مرتے نہ کھلا یہ کہ جفا ہوتی ہے

﴿۵۱﴾

اثر دکھانے پہ یہ جذب دل جو آتا ہے
کنوئیں سے حضرت یوسف کو کھینچ لاتا ہے
فلک جو روز نیا داغ اک دکھاتا ہے
ہمارے حوصلۂ دل کو آزماتا ہے

کبھی جو دعویٔ منصور میں شک آتا ہے
خیالِ یار مجھے آئینہ دکھاتا ہے
وہ بات ہوں کہ جو لاتی ہے جوش میں دل کو
وہ حال ہوں کہ جسے سُن کے وجد آتا ہے
جو بے خودی میں مجھے چھوڑ کر وہ جاتے ہیں
تو میرے حال پہ رونے کو ہوش آتا ہے
الٰہی خیر ہو اس بت کے نازِ بے جا کی
دلِ غریب کو میرے بہت ستاتا ہے
زیادہ جان سے کیونکر نہ رکھوں دل کو عزیز
یہ آئینہ تری صورت مجھے دکھاتا ہے
وہ دو ہی ہاتھ میں سمجھے کہ آرزو نکلی
دہانِ زخم اِسی پر تو مسکراتا ہے
ہمیں تو آٹھ پہر رہتی ہے تمہاری یاد
کبھی تمہیں بھی ہمارا خیال آتا ہے
نہ جانے کا تو نہیں جانتے بہانہ کچھ
ہزار حیلہ نہ آنے کا تم کو آتا ہے
وہ مے کدہ ہے ہمارا کہ جس میں مستوں سے
ہزار ساغرِ جم روز ٹوٹ جاتا ہے
خدا پناہ میں رکھے کشاکشِ غم سے
اسی سے تار نفس جلد ٹوٹ جاتا ہے
مصائبِ شب فرقت اُٹھا چکا ہوں میں

عذابِ گور سے واعظ کسے ڈراتا ہے

نہ پوچھئے ستم جوشِ حسرتِ دیدار

یہ جانِ زار کو آنکھوں میں کھینچ لاتا ہے

دوئی کا دخل نہیں بزمِ وصل میں منظور

وگرنہ آپ میں آنا تو مجھ کو آتا ہے

فنا کا خوف کچھ اہلِ حیات ہی کو نہیں

ہوا سے شمع کا شعلہ بھی کانپ جاتا ہے

مقامِ شکر ہے غافل مصیبتِ دُنیا

اسی بہانہ سے اللہ یاد آتا ہے

خدا کے واسطے یادِ خدا کر اے اکبر

بتوں کے عشق میں جاں اپنی گنواتا ہے

﴿۵۲﴾

کیا پوچھتے ہو مجھ سے پہلو میں تیرے کیا ہے

اب تو نہیں ہے کچھ بھی دل تھا سو کھو گیا ہے

پایا عجیب عالم قاتل تری گلی میں

ہر زخم یاں ہے مرہم ہر درد یاں دوا ہے

مجھ زار و ناتواں کا رہتا ہے میلِ خاطر

سختیِ دل تمہاری ہم سنگ کہربا ہے

برسوں کا چھوڑتی ہے دم بھر میں ساتھ ظالم

کہتے ہیں عمر جس کو معشوق بے وفا ہے

گنجینۂ محبت وحشت میں کیا ہو خالی
داغِ جنوں کا سِکّہ سرمایۂ وفا ہے
صرصر نے لاکھ چاہا اٹھا نہ اس گلی سے
اب تک غبار اپنا خاکِ رہ وفا ہے
رنگیں تری ادا نے دل خوں کیا چمن کا
جو گل ہے داغِ دل ہے جو برگ ہے حنا ہے
ہو جس طرف طبیعت لازم ہے شوقِ کامل
ہر بات میں اثر ہے ہر رنگ میں مزا ہے
ایسا مٹا دیا ہے الفت میں دل کو میں نے
رنگِ رُخِ تمنا گردِ رہ وفا ہے
کل کی تھی بے خودی میں دم بھر کو سیر دل کی
کس لطف کی ہوا ہے کیا باغ خوش فضا ہے
کیا شرحِ آرزو پروا ہو زبان اپنی
افسانۂ دو عالم آغا رِندعا ہے
اظہارِ شوق میں ہے رسوائی محبت
ہے حرف آبرو پر جو حرف مدعا ہے
اہلِ عدم نہ پوچھو کچھ ہم سے حالِ دُنیا
رہ آئے ہم بھی دو دن اک میہماں سرا ہے
کیوں کر نہ شعر اکبر آنے پسند سب کو
یہ رنگ ہی نیا ہے گوچہ ہی دوسرا ہے

﴿۵۳﴾

بس گئی ہے دل میں وہ زلفِ دوتا کیا کیجئے
جان آفت میں ہوئی ہے مبتلا کیا کیجئے

نزع میں پوچھا جو اکبر سے کہ کیوں دیتا ہے جان
آہ سرد اک بھر کے وہ کہنے لگا کیا کیجئے

﴿۵۴﴾

دم لبوں پر آگیا ہے اب دوا کا ذکر کیا
اک بُتِ کافر کی الفت سے دُعا کیا کیجئے

جس کے صدمے سے بمشکل کل بچی تھی میری جان
پھر وہی درد آج سینہ میں اُٹھا کیا کیجئے

﴿۵۵﴾

وہ اٹھے تو بہت گھر سے اپنے، مرے گھر میں مگر کبھی آ نہ سکے
وہ نسیم مراد چلے بھی تو کیا کہ جو غنچۂ دل کو کھلا نہ سکے

ترے عشق سے باز بھی نہ آ سکے تیرے ظلم وستم بھی اٹھا نہ سکے
جو نصیب میں لکھی ہوئی تھی قضا کسی طور سے جان بچا نہ سکے

شب و روز جو رہتے تھے پیش نظر بڑے لطف سے ہوتی تھی جن میں بسر
یہ خبر نہیں جا کے رہے وہ کدھر کہ ہم ان کا نشان بھی پا نہ سکے

کبھی جن کے خیال میں ہجر کی شب مجھے نیند نہ آتی تھی ہائے غضب
وہ جو روئے بھی آ کے مزار پر اب مجھے خوابِ لحد سے جگا نہ سکے

یہ مرے ہی نہ آنے کا سب ہے اثر کہ رقیبوں سے دبتے ہو آٹھ پہر

مرے حال پہ چشمِ کرم جو رہے کوئی آپ سے آنکھ ملا نہ سکے
کیا جذبۂ عشق نے میرے اثر رہی غیرتِ حُسن پہ ان کی نظر
پسِ پردہ صدا تو سنائی مجھے مگر اپنا جمال دکھا نہ سکے
رہا شہرۂ عشق کا یاں مجھے ڈر انھیں اپنے پرائے کا خوف و خطر
رہیں دل ہی میں حسرتیں دونوں طرف جو میں جا نہ سکا تو وہ آ نہ سکے
وہی دل کی تڑپ وہی دردِ جگر ہوا توبہ عشق کا کچھ نہ اثر
تری شکل جو آنکھوں میں پھرتی رہی تری یاد بھی دل سے بھلا نہ سکے
تری بانکی ادا ہے وہ ہوشربا کہ ہوں خضر و مسیح بھی جس پہ فدا
وہ فریب بھرا ہے نظر میں تری کہ فرشتہ بھی دل کو بچا نہ سکے
ہے خدا کی جناب میں صبح و مسا یہی اکبر خستہ جگر کی دُعا
کہ ہمارے سوا بُتِ ہوشربا کوئی سینہ سے تجھ کو لگا نہ سکے

﴿۵۶﴾

تری زلفوں میں دل الجھا ہوا ہے
بلا کے پیچ میں آیا ہوا ہے
نہ کیونکر بوئے خوں نامے سے آئے
اُسی جلّاد کا لکھا ہوا ہے
چلے دنیا سے جس کی یاد میں ہم
غضب ہے وہ ہمیں بھولا ہوا ہے
کہوں کیا حال اگلی عشرتوں کا
وہ تھا اک خواب جو بھولا ہوا ہے

جفا ہو یا وفا ہم سب میں خوش ہیں
کریں کیا اب تو دل اٹکا ہوا ہے
ہوئی ہے عشق ہی سے حسن کی قدر
ہمیں سے آپ کا شہرہ ہوا ہے
بتوں پر رہتی ہے مائل ہمیشہ
طبیعت کو خدایا کیا ہوا ہے
پریشان رہتے ہو دن رات اکبر
یہ کس کی زلف کا سودا ہوا ہے

﴿۵۷﴾

دل کو غفلت نے کدورت میں چھپا رکھا ہے
بخل نے زر کو تہہ خاک دبا رکھا ہے
شور کیوں گبرو مسلماں نے مچا رکھا ہے
دیر میں کچھ بھی نہیں کعبہ میں کیا رکھا ہے
بے زری میں کوئی معشوق تو پہلو میں کہاں
داغِ افلاس کو سینہ سے لگا رکھا ہے
آپ کو پردہ نشینی ہی جو آئی ہے پسند
مجھ کو کیوں مفت میں دیوانہ بنا رکھا ہے
جوشش فصل بہاری ہے کہ ہنگامہ حشر
بلبلوں نے تو غضب شور مچا رکھا ہے
دیکھئے صبح تلک بدلے وہ کیا کیا پہلو

منتوں سے اُسے یاں آج سُلا رکھا ہے
آپ کے شہرۂ رحمت نے تو ڈھایا ہے غضب
ایک عالم کو گنہگار بنا رکھا ہے
آرزو مرگ کی اکبر نہ کر اللہ سے ڈر
تجھ سے عاصی کے لیے قبر میں کیا رکھا ہے

﴿۵۸﴾

کسی کی قسمت میں زہرِ غم ہے کسی کو حاصل مے طرب ہے
وہی بگاڑے وہی بنائے اسی کی قدرت کا کھیل سب ہے
نظر جو آئے وہ آفتِ جاں تو دل کو کیوں کر بچائے انساں
ادا ہے بانکی نگاہ ترچھی ستم ہے عشوہ حیا غضب ہے
جلا چکی آتش محبت تمام میرے دل و جگر کو
تمھیں نہیں ہے یقین اب تک یہی تو اے میری جاں غضب ہے
گزر گیا ہے جو عہدِ عشرت نہ رکھ تو ناداں پھر اس کی حسرتِ
قیام اسی کا سمجھ غنیمت جو وقت پیشِ نگاہ اب ہے
یہ ان کی جتنی لگاوٹیں ہیں یہ ظاہری سب بناوٹیں ہیں
یہ جی لبھانے کی اک ادا ہے یہ دل کے لینے کا ایک ڈھب ہے
دلاتے ہیں نزع میں جو پیہم خدا کی یاد آ کے یارو ہمدم
بھلا میں بھولوں گا اس کو کیونکر وہ میرا مالک ہے میرا رب ہے
یہاں بھی آرام پایئے گا کہاں اب اس وقت جایئے گا
اندھیرا چھایا ہے ابر طاری ہے مینہ برستا ہے وقتِ شب ہے

دعا ہے اکبر یہ اپنی ہر دم لحد میں نکلے زباں سے پیہم
محمد ﷺ اپنا رسول برحق خدائے برتر ہمارا رب ہے

﴿۵۹﴾

سنتا ہوں کہ تاثیر محبت میں بھی کچھ ہے
کیوں کر نہ کہوں اُن کی طبیعت میں بھی کچھ ہے
تسخیر بتاں ہوتی ہے گو نقشِ درم سے
تاثیر مگر دل کی محبت میں بھی کچھ ہے
بے چین ہوئے سن کے مرے شوق کا قصہ
صد شکر مزہ ان کی طبیعت میں بھی کچھ ہے
جب کہتا ہوں اُن سے کہ مرے دل میں ہے حسرت
کس ناز سے کہتے ہیں کہ حسرت میں بھی کچھ ہے
واعظ میں غضب ہی کا سزاوار نہیں ہوں
حصہ مرا گنجینۂ رحمت میں بھی کچھ ہے
رندوں میں تو ہے لطف مے و ساقی و مطرب
واعظ یہ بتا تو تری صحبت میں بھی کچھ ہے
وہ کوچہ جاناں کے مزے ایک نہ پائے
ہم پہلے سمجھتے تھے کہ جنت میں بھی کچھ ہے
بگڑے ہوئے تیور ہی سے ثابت نہیں رنجش
اِن روزوں تو فرق ان کی طبیعت میں بھی کچھ ہے
فرماتے ہیں وہ سن کے مرے رونے کا احوال

یہ بات تو داخل تری عادت میں بھی کچھ ہے

گو راز محبت کا چھپانا ہے بہت خوب

لیکن بخدا لطف تو شہرت میں بھی کچھ ہے

افسانۂ حسرت مرا سن سن کے وہ بولے

ہے سب یہ زبانی کہ طبیعت میں بھی کچھ ہے

خوش وصل سے کوئی کوئی نظارہ سے دل شاد

اے گردشِ گردوں مری قسمت میں بھی کچھ ہے

بالائے زمیں پاس سکندر کے تھا سب کچھ

اب جا کے ذرا دیکھئے تربت میں بھی کچھ ہے

تم آکے نہ دو یاد بھی کیا کرنے نہ دو گے

دخل آپ کو بندے کی طبیعت میں بھی کچھ ہے

﴿۶۰﴾

قیدِ احساں سے تری اے فلک آزاد رہے

بے کسی کا ہو بھلا بے وطنی شاد رہے

مئے گلگوں سے چھکے مست ہوئے شاد رہے

ساقیا خانۂ احساں ترا آباد رہے

اجل آتی ہے غمِ ہجر میں اللہ رے نصیب

ملک الموت کو کس طرح یہ ہم یاد رہے

ہے یہ حسرت تری حسرت کے سوا سب ہو فنا

دونوں عالم نہ رہیں شہرِ دل آباد رہے

حشر برپا جو ہوا بھول گیا ایک کو ایک
ایسی آفت میں بھلا کون کسے یاد رہے
گوشہ خاطر عالی میں جو پائے نہ جگہ
کہئے پھر جا کے کہاں عاشقِ ناشاد رہے
نزع میں نام لیا قبر میں مذکور آیا
کون سی جا تھی جہاں وہ نہ مجھے یاد رہے

﴿۶۱﴾

زخمی کیا سینہ کو نظر ہے کہ غضب ہے
خوں ہو کے بھی قائم ہے جگر ہے کہ غضب ہے
وہ کہتے ہیں مئے پینے کو تو پی نہیں سکتا
اے شیخ یہ اللہ کا ڈر ہے کہ غضب ہے
گزری ہے شبِ وصل کہ آئی ہے مری موت
وہ ہوتے ہیں رخصت یہ سحر ہے کہ غضب ہے
لپٹا کے مجھے سینے سے وہ آج یہ بولے
اکبر تری آہوں کا اثر ہے کہ غضب ہے

﴿۶۲﴾

دل شکستہ ہوں مگر دل میں خدا کا نور ہے
یہ وہ ویرانہ ہے روشن جس میں شمعِ طور ہے
آپ کی پیاری ادا پر دل نہ دیتا میں کبھی
بس یہی کہیے قضا سے آدمی مجبور ہے

کون ایسا ہے نہیں ہے موت کی جس کو خبر
پھر جو غفلت ہے تو یہ دنیا کا اک دستور ہے
گونج سے بالے کی زلف الجھی میں عاشق ہوگیا
یہ نہ خوف آیا کہ وہ افعی ہے یہ زنبور ہے
شعر گوئی کی وکالت میں مجھے فرصت کہاں
یہ بھی اکبر خاطرِ احباب گورکھ پور ہے

﴿۲۳﴾

کہوں کس سے قصۂ دردوغم کوئی ہم نشیں ہے نہ یار ہے
جو انیس ہے تری یاد ہے جو شفیق ہے دلِ زار ہے
تو ہزار کرتا لگاوٹیں میں کبھی نہ آتا فریب میں
مجھے پہلے اس کی خبر نہ تھی ترا دو ہی دن کا یہ پیار ہے
یہ نوید اوروں کو جا سُنا ہم اسیرِ دام ہیں اے صبا
ہمیں کیا چمن ہے جو رنگ پر ہمیں کیا جو فصلِ بہار ہے
جِسے دورِ چرخ میں ہو خوشی تو ضرور ہے اسے رنج بھی
شبِ ہجر میں ہے جو دردِ سر مئے وصل کا یہ خمار ہے
وہ نظر جو مجھ سے ملا گئے تو یہ اور آفتیں ڈھا گئے
کہ حواس و ہوش وخرد ہے اب نہ شکیب وصبر وقرار ہے
مجھے رحم آتا ہے دیکھ کر ترا حال اکبر نوحہ گر
تجھے وہ بھی چاہے خدا کرے کہ تو جس کا عاشقِ زار ہے

﴿مندرجہ ذیل غزل ۳۵ سال بعد لکھی گئی﴾

مری چشم کیوں نہ ہو خوں فشاں نہ رہی وہ بزم نہ وہ سماں
نہ وہ طرز گردشِ چرخ ہے نہ وہ رنگ لیل و نہار ہے
جہاں کل تھا غلغلۂ طرب وہاں ہائے آج ہے یہ غضب
کہیں اک مکاں ہے گرا ہوا کہیں اک شکستہ مزار ہے
غم و یاس و حسرت و بے کسی کی ہوا کچھ ایسی ہے چل رہی
نہ دلوں میں اب وہ امنگ ہے نہ طبیعتوں میں ابھار ہے
ہوئے مجھ پہ جو ستم فلک کہوں کس سے اس کو کہاں تلک
نہ مصیبتوں کی ہے کوئی حد نہ مرے غموں کا شمار ہے
مرا سینہ داغوں سے ہے بھرا مرے دل کو دیکھئے تو ذرا
یہ شہید عشق کی ہے لحد پڑا جس پہ پھولوں کا ہار ہے
میں سمجھ گیا وہ ہیں بے وفا مگر ان کی راہ میں ہوں فِدا
مجھے خاک میں وہ ملا چکے مگر اب بھی دل میں غبار ہے

﴿۶۴﴾

اب تو ہیں نامِ خدا آپ کے انداز نئے
نئے غمزے ہیں نئے عشوے ہیں اور ناز نئے
ان سے ملنے کا نکل آتا ہے ہر شب اک طور
روز ہو جاتے ہیں سامانِ خدا ساز نئے
کل جو باتیں تھیں وہی ہوں یہ تکلف کیا
آج کیا ہوگئے ہم اے بُتِ طنّار نئے

﴿٦٥﴾

یہ آج وجہِ توقف ہے کیا اجل کے لیے
طبیب لکھتے ہیں نسخہ مرا جو کل کے لیے

یہ اضطراب یہ بے چینیاں یہ بے تابی
مجھے ہمیشہ ہے بجلی کو ایک پل کے لئے

ہوا مقامِ فنا میں اپنا خود عشق
سمجھ گیا یہی موقع تھا اس محل کے لئے

جو دل میں درد محبت اٹھا تو ہم نے بھی
مزے تڑپنے کے پہلو بدل بدل کے لیے

نہیں ہے منزل ہستی میں فکر زاد سفر
کہ آج کے لیے ہے صبر امید کل کے لیے

خیال صورتِ جاناں کا شغل دل کو رہے
عجیب حسن یہ چہرہ عمل کے لیے

ہوا ہوں خلق میں جینے کو جھوٹے وعدوں پر
زبان اُن کے دہن میں ہے آج کل کے لئے

میں گھر میں غیر کے کیا ان سے حالِ دل کہتا
زبان ہی نہ کھلی عرض بے محل کے لیے

﴿٦٦﴾

میں کروں لاکھ ارادہ تو وہ کس کام کا ہے
بس بھروسہ مرے اللہ ترے نام کا ہے

طالبِ وصل ہوا یہ تو عجب کیا اس کا
حوصلہ ہی تو مری جاں دلِ ناکام کا ہے

﴿۶۷﴾

بار اب پہلو میں رکھنا دلِ ناکام کا ہے
خبر اپنی نہ ہو جس کو وہ کسی کام کا ہے
خط عبث لکھتے ہیں آنا ہے تو آئیں وہ جلد
نزع میں ہوں یہ محل نامہ و پیغام کا ہے
شوق سے آنکھیں دکھاؤ مجھے کچھ رنج نہیں
شعبدہ یہ بھی تو اک گردشِ ایام کا ہے
دل کیا نذر جو میں نے تو وہ ہنس کر بولے
آپ رکھ چھوڑیئے اس کو مرے کس کام کا ہے
دل مرا ہاتھ میں لے کر وہ یہ فرماتے ہیں
اِس کو پامال کروں اور کس کام کا ہے

﴿۶۸﴾

لگاوٹ کی ادا سے اُن کا کہنا پان حاضر ہے
قیامت ہے ستم ہے دل فدا ہے جان حاضر ہے
کہو جو چاہو سن لیں گے مگر مطلق نہ سمجھیں گے
طبیعت تو خدا جانے کہاں ہے کان حاضر ہے
نگاہیں ڈھونڈتی ہیں جن کو ان کا دو نشاں یارو
اسے میں کیا کروں گا یہ جو سب سامان حاضر ہے

بٹھا کر غیر کی محفل میں مجھ کو اس نے فرمایا
سنو اکبر کی غزلیں دیکھو یہ مستان حاضر ہے

﴿۶۹﴾

اک بوسہ دیجیے مرا ایمان لیجیے
گو بُت ہیں آپ بہر خدا مان لیجیے

دل لے کے کہتے ہیں تری خاطر سے لے لیا
الٹا مجھی پہ رکھتے ہیں احسان لیجیے

غیروں کو اپنے ہاتھ سے ہنس کر کھلا دیا
مجھ سے کبیدہ ہو کے کہا پان لیجیے

مرنا قبول ہے مگر الفت نہیں قبول
دل تو نہ دوں گا آپ کو میں جان لیجیے

حاضر ہوا کروں گا میں اکثر حضور میں
آج اچھی طرح سے مجھے پہچان لیجیے

﴿۷۰﴾

اپنی ہستی جو حجابِ رُخِ جاناں نہ رہے
واں رہیں ہم کہ جہاں پھر کوئی ارماں نہ رہے

صورتِ یار جو سَو پردوں میں پنہاں نہ رہے
بحث پھر تم میں یہ اے گبرو مسلماں نہ رہے

سامنا جلوۂ معشوق کا اللہ اللہ
ہے یہی وقت کہ بس آپ میں انساں نہ رہے

مانگتا ہوں جو دُعا صبح کی کہتی ہے اجل
یہ بھی ممکن ہے رہو تم شبِ ہجراں نہ رہے
آپ ہی نے تو کیا ہے مجھے دیوانہ عشق
آپ ہی کہتے ہیں اب آپ تو انسان نہ رہے
میں تو عشق بتِ ظالم سے نہ باز آؤں گا
عقل چھوٹ جائے جگر ٹکڑے ہو ایماں نہ رہے
آئینہ کو ہے یہ حیرت کہ سکندر ہوئے خاک
ہوش پریوں کے اڑے ہیں کہ سلیماں نہ رہے
چشمِ نرگس سے کوئی حال چمن کا پوچھے
دیکھتے دیکھتے کیا کیا گلِ خنداں نہ رہے
صبح تک ہجرِ صنم میں یہ دعا تھی اپنی
میں رہوں یا نہ رہوں یہ شبِ ہجراں نہ رہے
اُن کا یہ ناز کہ آجائیں گے جلدی کیا ہے
اپنا یہ حال کہ دم بھر کے بھی مہماں نہ رہے
منہ نہ موڑو ستم جو رِتاں سے اکبر
بندگی کیسی اگر تابع فرماں نہ رہے

۱۷

قابلیت تو بہت بڑھ گئی ماشاء اللہ
مگر افسوس یہی ہے کہ مسلماں نہ رہے

﴿۷۲﴾

مصیبت عشق کی تنہا مجھی پر کیا گزرتی ہے
تمہارے حسنِ عالمگیر پر اک خلق مرتی ہے

خبر ملتی نہیں کچھ مجھ کو یارانِ گزشتہ کی
خدا جانے کہاں ہیں کس طرح ہیں کیا گزرتی ہے

مری آنکھوں میں تو اس کا گزر بھی ہو نہیں سکتا
یہ آنکھیں آپ کی ہیں نیند جس میں چین کرتی ہے

محبت کا اثر ہے عاشق و معشوق پر یکساں
جو مجنوں سر پٹکتا ہے تو لیلیٰ آہ کرتی ہے

اثر کچھ ہو چلا ہے سوزشِ الفت کا سینہ میں
الٰہی خیر ہو دل کانپتا ہے رُوح ڈرتی ہے

پریشان رکھتی ہے دن رات آ کر بے وفاؤں پر
طبیعت آدمی کو کس قدر بے چین کرتی ہے

﴿۷۳﴾

کیا قہر ہے اجل مرے سر پر کھڑی رہے
غیروں کی تم کو فکرِ عیادت پڑی رہے

اے شور حشر شہرِ خموشاں کی لے خبر
اب کب تلک اُجاڑ یہ بستی پڑی رہے

جدت ہو فکر میں تو توارد کبھی نہ ہو
مضمون کیوں لڑیں جو طبیعت لڑی رہے

ہے عشق میں ہر لحظہ ترقی مرے دل کی
ہر داغ بڑھاتا ہے تجلی مرے دل کی

کیا اور سے ممکن ہو تسلی مرے دل کی
جب آپ ہی نے کچھ نہ خبر لی مرے دل کی

رونا ہے جو فرقت میں یہی دیدۂ تر کا
طوفان میں آجائے گی کشتی مرے دل کی

مہمان ہے جس روز سے سینہ میں تری یاد
آباد ہے اُجڑی ہوئی بستی مرے دل کی

آخر کو یہ جلنے بھ لگا شعلۂ غم سے
فکر آپ کو ہوتی نہیں اب بھی مرے دل کی

یا اس کی خبر بھی نہیں لیتے کبھی اب تم
یا فکر تمہیں رہتی تھی کتنی مرے دل کی

نظروں سے تری گر کے ہوا عشق دوبالا
ہوتی ہے تنزل ہیں ترقی مرے دل کی

دکھلا کے جھلک اور بھی تڑپا گئے اس کو
کی واہ دوا آپ نے اچھی مرے دل کی

جب قولِ وفا ہار چکا ہیں تو پھر اب کیا
جیتے ہوئے ہیں آپ تو بازی مرے دل کی

باطن سے ہوں نظارگی جلوۂ جاناں

آئینۂ معنی ہے صفائی مرے دل کی
رنگینی میں نرمی میں صفائی میں ضیاء میں
ہے ایک سی خلقت ترے رُخ کی مرے دل کی
نابود ہوئے جل کے خیالاتِ دو عالم
اللہ رے ترے عشق میں گرمی مرے دل کی
سو جان سے کیوں کر نہ ہوں قربانِ تمنا
کرتی ہے بڑی قدر شناسی مرے دل کی
ملتا ہے مزا ان کو مرے جوشِ جنوں کا
سرخوش انھیں کر دیتی ہے مستی مرے دل کی
یا ہجر تھا یا وصل میں اب ہوگئے بے خود
وہ خوبی قسمت تھی یہ خوبی مرے دل کی
وہ ترچھی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے ہیں
اس وقت میں ہو خیر الٰہی مرے دل کی
تسکیں کے لیے رہتے تھے سینہ پہ جو ہر دم
اب ہے انھیں ہاتھوں سے خرابی مرے دل کی
کیوں مکتبِ غم میں سبقِ عشق نہ پڑھتا
تقدیر میں لکھی تھی خرابی مرے دل کی
کیا پوچھتے ہو عشق نے ڈھائی ہے مصیبت
اب روح بھی دیتی ہے دُہائی مرے دل کی
کہنا تو بہت کچھ ہے مگر کیا کہوں اکبر
افسوس کہ سنتا نہیں کوئی مرے دل کی

☆☆﴿۷۵﴾☆☆

بے چین ہے دل سینہ میں مرا رہ رہ کے تری یاد آتی ہے
وہ چشم سیہ جادُو کی بھری آنکھوں میں مرے پھر جاتی ہے

اے حسرتِ وصل خدا کے لیے بے چین نہ کر اتنا مجھ کو
کیوں زخم بنی ہے دل میں مرے کیوں رُوح کو یُوں پڑتاتی ہے

تم اس کے جدا ہو جانے کا اکبر نہ کرو کچھ رنج و الم
ہے جان سے پیاری کونسی شے انساں سے یہی چھٹ جاتی ہے

☆☆﴿۷۶﴾☆☆

ہوگا کیا رنجش جو تجھ سے اے پری ہو جائے گی
جس سے دل لگ جائے گا اک دل لگی ہو جائے گی

ٹال دیتے ہیں یہی کہہ کر مرے مطلب کی بات
آج پر کیا منحصر ہے پھر کبھی ہو جائے گی

آئے گا آغوش میں میرے جو وہ رشکِ چمن
نکہت گل کی طرح سے بے خودی ہو جائے گی

رُوح کو قابل میں آنے سے بڑا انکار تھا
یہ نہ سمجھی تھی کہ آخر دوستی ہو جائے گی

نزع میں ہوں اب بھی آ جائیں وہ دم بھر کے لیے
اور تو کیا اک نگاہِ آخری ہو جائے گی

☆☆﴿۷۷﴾☆☆

جو اُس سرو قد سے جدائی ہوئی ہے
قیامت مرے سر پہ آئی ہوئی ہے

ذرا دیکھنا پھر انھیں چتونوں سے
یہ پیاری ادا دل کو بھائی ہوئی ہے

نہیں رُوئے رنگین پہ زلفوں کا جلوہ
گلستان پہ بدلی یہ چھائی ہوئی ہے

کسی کا نہیں ہے گزرا اس گلی میں
یہ قسمت سے اپنی رسائی ہوئی ہے

مرا سوزِ دل آپ کیا دیکھتے ہیں
یہ آگ آپ ہی کی لگائی ہوئی ہے

نہ دیکھیں گے وہ اس طرف آنکھ اٹھا کر
کچھ اور ان کے دل میں سمائی ہوئی ہے

دکھاتے نہ تھے آپ یوں مجھ کو آنکھیں
یہ شوخی کسی کی سکھائی ہوئی ہے

مکدّر کیا تھا رقیبوں نے ان کو
بڑی مشکلوں سے صفائی ہوئی ہے

جو چاہیں کریں بے وفائی وہ اکبر
طبیعت مری اُن پہ آئی ہوئی ہے

دور سوم

انداز اً چالیس سے پچاس سال عمر تک

کی

غزلیں

☆☆﴿۱﴾☆☆

کہو کرے گا حفاظت مری خدا میرا
رہوں جو حق پہ مخالف کریں گے کیا میرا

خدا کے در سے اگر میں نہیں ہوں بیگانہ
تو ذرہ ذرۂ عالم ہے آشنا میرا

مری حقیقت ہستی یہ مشتِ خاک نہیں
بجا ہے مجھ سے جو پوچھے کوئی پتا میرا

انھیں ہے عقل جو محتاج غیر ہے ہر دم
مجھے ہے عشق کو جو خود ہے مدعا میرا

غرور انہیں ہے تو مجھ کو بھی ناز ہے اکبر
سوا خدا کے سب ان کا ہے اور خدا میرا

☆☆﴿۲﴾☆☆

دِل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا
بت کے بندے ملے اللہ کا بندہ نہ ملا

بزم یاراں سے پھری بادِ بہاری مایوس

ایک سر بھی اُسے آمادہ سودا نہ ملا

گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطرفروش

طالبِ زمزمۂ بلبل شیدانہ ملا

واہ کیا راہ دکھائی ہے ہمیں مُرشد نے

کر دیا کعبے کو گم اور کلیسا نہ ملا

رنگ چہرے کا تو کالج نے بھی رکھا قائم

رنگ باطن میں مگر باپ سے بیٹا نہ ملا

سید اٹھے جو گزٹ لے کے تو لاکھوں لائے

شیخ قرآن دکھاتے پھرے پیسا نہ ملا

ہوشیاروں میں اک اک سواہیں اکبر

مجھ کو دیوانوں میں لیکن کوئی تجھ سا نہ ملا

☆☆ (۳) ☆☆

عنایت تخلیے میں بزم میں ناآشنا ہونا

غضب ہیں یہ ادائیں دم ہی بھر میں کیا سے کیا ہونا

بتوں کے پہلے بندے تھے مسوں کے اب ہوئے خادم

ہمیں ہر عہد میں مشکل رہا ہے باخدا ہونا

مرا محتاج ہونا تو مری حالت سے ظاہر ہے

مگر ہاں دیکھنا ہے آپ کا حاجت روا ہونا

جو وقت ہے وہ یہ ہے دِل نہیں ہے میرے کہنے میں

مجھے تسلیم ہے ارشاد واعظ کا بجا ہونا

خدا بنتا تھا منصور اس لیے مشکل یہ پیش آئی
نہ کھنچتا وار پر ثابت اگر کرتا خدا ہونا

بچاتا ہے ہزاروں کفر سے اے واعظِ ناداں
بلائے دم گیسوئے بتاں ہیں مبتلا ہونا

مجھے جوشِ طبیعت سے ہوا شوقِ گناہ آخر
عجب کیا ناز سکھلائے اگر ان کو خفا ہونا

صفاتِ حق تعالیٰ فہم منکر میں نہیں آتے
وہ کہتا ہے کہ گویا کچھ نہ ہونا ہے خدا ہونا

خدا ان سے ملائے تو نہایت ہی خوش آئے گا
نیا عہد وفا بندھنا گذشتہ کا گلا ہونا

طریق مغربی کی کیا یہی روشن ضمیری ہے
خدا کو بھول جانا اور محوِ ماسوا ہونا

☆☆(۴)☆☆

دلیل خود بیں سے پوچھتی ہے کہ تم مسلم مگر خدا کیا
دل اس کے عاشق سے کہہ رہا ہے کہ اس کے ہوتے یہ ماسوا کیا

نہ کچھ تکلف نہ کچھ بناوٹ جو بات تھی دل میں صاف کہہ دی
اگر وہ مانیں تو مہربانی اگر نہ مانیں تو پھر گلا کیا

کبھی لرزتا ہوں کفر سے میں کبھی ہوں قربان بھولے پن پر
خدا کے دیتا ہوں واسطے جب تو پوچھتا ہے وہ بت خدا کیا

☆☆﴿۵﴾☆☆

جو تمہارے لب جاں بخش کا شیدا ہوگا
اُٹھ بھی جائے گا جہاں سے تو مسیحا ہوگا

وہ تو موسیٰ ہوا جو طالب دیدار ہوا
پھر وہ کیا ہوگا جس نے تمہیں دیکھا ہوگا

قیس کا ذکر مرے شان جنوں کے آگے
اگلے وقتوں کا کوئی باد یہ پیا ہوگا

آرزو ہے مجھے اک شخص سے ملنے کی بہت
نام کیا لوں کوئی اللہ کا بندا ہوگا

لعل لب کا ترے بوسہ تو میں لیتا ہوں مگر
ڈر یہ ہے خون جگر ہجر میں پینا ہوگا

☆☆﴿۶﴾☆☆

غنچۂ دل کو نسیمِ عشق نے وا کر دیا
میں مریضِ ہوش تھا مستی نے اچھا کر دیا

شان محبوبی صانع کا نشان رکھا ہے یہ
ورنہ کیا تھا جس نے دِل میں درد پیدا کر دیا

دِین سے اتنا الگ حد فنا سے یوں قریب
اس قدر دلچسپ پھر کیوں رنگ دنیا کر دیا

موت سے غفلت جوانی میں تو لذت دے گئی
ہاں مگر پیری میں اس نے مجھ کو رسوا کر دیا

کیا مرے اک دل کو خوش کرنے پہ وہ قادر نہیں
ایک کُن سے دو جہاں کو جس نے پیدا کر دیا

بے تمہارے دیکھے اب دم بھر بھی چین آتا نہیں
سچ بتاؤں جان جاں تم نے مجھے کیا کر دیا

سب کے سب باہر ہوئے وہم و خود ہوش و تمیز
خانہ دل میں تم آؤ ہم نے پروا کر دیا

ہو طلب کامل تو بس نعمت اسی کا نام ہے
بھوک نے نانِ جویں کو من و سلویٰ کر دیا

یوسفِ معنیٰ کے جلوؤں کو دکھا کر عشق نے
میری بیداری کو بھی خوابِ زلیخا کر دیا

شاہدِ بزمِ ازل نے اِک نگاہِ ناز سے
عشق کو اس انجمن میں مسند آرا کر دیا

شورِ شیریں کا مزا رکھا سرِ فرہاد میں
قیس کو دیوانۂ اندازِ لیلیٰ کر دیا

گردن پروانہ میں ڈالی کمندِ شوق شمع
رنگ گل کو دیدۂ بلبل کا پھندا کر دیا

ذوقِ نظارہ سے جانوں کو ملایا خاک میں
گردشِ چشم بتاں سے حشر برپا کر دیا

جس نے یہ سب کچھ کیا اکبر میں تم سے کیا کہوں
اس نے مجھ کو کیا کیا دل کو مرے کیا کر دیا

بے غرض ہو کر مزے سے زندگی کٹنے لگی

ترک خواہش نے ہمارا بوجھ ہلکا کر دیا

رنگ اڑانا اہلِ یورپ کا تو ہے اکبر محال

مفت اپنے آپ کو تم نے تماشا کر دیا

☆☆(۷)☆☆

در فشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا

دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بنیا کر دیا

خود نہ تھے جو راہ پرادروں کے ہادی بن گئے

کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

☆☆(۸)☆☆

ارسطو سے نہ پوچھو اے ہمنشیں خاصیت الفت

مجھے معلوم ہے سن لے اثر مہلک مزا اچھا

نقاب اُن کے رُخِ رنگین سے الٹا عین محفل میں

کھلایا گل یہ تو نے واہ اے باد صبا اچھا

ہٹایا زلف کو ان کے رخِ رنگین سے گلشن میں

کھلایا گل یہ تو نے واہ اے باد صبا اچھا

دلا کر جھوٹی اُمیدیں دلوں کو خون کرتے ہو

نہ یہ طرز ادا اچھی نہ یہ شوق جفا اچھا

نہ ملنے ہی سے اکثر رنج بھی ہو جاتے ہیں پیدا

جو سچ پوچھو تو ملنے سے نہ ملنے کا گلا اچھا

ابھی بیمار ہیں سب کر رہے ہیں قول وعہد اکبر

اسی کوچے میں پھر پہنچیں گے ہونے دو ذرا اچھا

☆☆﴿۹﴾☆☆

تصوف کے بیاں کو ہوش نے روح آشنا پایا
معانی کچھ نہ سمجھا پر قیامت کا مزا پایا
جوانی چھن گئی حسرت رہی باقی ستانے کو
عروس دہر ہم نے دِل لگا کر تجھ سے کیا پایا

☆☆﴿۱۰﴾☆☆

ہے کام ترا ساقی اک جام پلا دینا
یا وہ کو بھلا دینا یا میں کو مٹا دینا
مستوں کو حقیقت کا اک جلوہ دکھا دینا
موج مئے وحدت کو آئینہ بنا دینا

☆☆﴿۱۱﴾☆☆

ہجر میں خونِ جگر آخر کو پینا ہی پڑا
موت بھی آئی نہیں مجبور جینا ہی پڑا
قلب انسان میں کبھی پڑ جاتی ہے اک نیک مات
جب پڑا لیکن تمہارے دِل میں کینا ہی پڑا
وضع اُن کی دیکھ کر لازم ہوئی قطع اُمید
کل سِتم کی چل رہی تھی منہ کو سینا ہی پڑا
تجربے کے بعد نسخے سے کٹا آخر گلاب
لخلخے میں تیرے عارض کا پسینا ہی پڑا

دل بھی کانپا، ہونٹ بھی تھرائے شرمایا بھی خوب
شیخ کو لیکن تری مجلس میں پینا ہی پڑا
الفت احمدﷺ ہے تکمیلِ ایمان تھی ضرور
راہ حق جوئی میں اے اکبر مدینہ ہی پڑا

☆☆﴿۱۲﴾☆☆

تصور اس کا جب بندھا تو پھر نظر میں کیا رہا
نہ بحث این واں رہی نہ شورِما سوا رہا
زبانِ خلق پر بس اک فسانہ فنا رہا
نہ ہم رہے نہ دِل رہا نہ دِل کا مدعا رہا
نئے بنائے ساز عیش چرخ نے سدا مگر
فنا کی دھن پہ مستقل جہانِ بے بقا رہا

☆☆﴿۱۳﴾☆☆

پروا توڑ آپ نے اس بت کو آیا کر دیا
خود پری تھی اب اسے پریوں کا سایہ کر دیا
کر گئے تھے حضرتِ سید عقیدوں کو درست
چرخ نے رسموں کا بھی آخر صفایا کر دیا
کم ہوئی آخر بصارت روشنی میں لمپ کی
بڑھ گئی ہو کچھ بصیرت تو جلایا کر دیا

☆☆﴿۱۴﴾☆☆

ہم کو زیرِ آسماں ہو کر گذرنا ہی پڑا
منزلِ ہستی میں لٹنے کو ٹھہرنا ہی پڑا
موت کے عشووں کے آگے نازِ منطق کچھ نہ تھا
دل کو مذہب کے قدم پر سر کو دھرنا ہی پڑا
جانتی تھی قوت اپنی مدت عمرِ عروج
بحر میں لیکن حبابوں کو ابھرنا ہی پڑا

☆☆﴿۱۵﴾☆☆

خوانِ فلک پہ جو ملے شکر کے ساتھ کر قبول
غم کی شکایتیں ہیں کیا آیا ہے پیش کھا بھی جا
ساغرِ مے ہے سامنے شیخ سے کہہ رہے ہیں وہ
دیکھتا کیا ہے ہر طرف مردِ خدا چڑھا بھی جا
اے دلِ باتمیز و ہوش جرم کا کام یاں نہیں
لطفِ فریبِ حسن اُٹھا فقروں میں اُن کے آ بھی جا

☆☆﴿۱۶﴾☆☆

بنائے کارِ جہاں کو خراب ہی دیکھا
ہمیشہ ہم نے یہاں انقلاب ہی دیکھا
ہم انقلاب کے شائق نہیں زمانہ میں
کہ انقلاب کو بھی انقلاب ہی دیکھا

☆☆﴿۱۷﴾☆☆

وفا میں ثابت قدم نکلنا فدائے عشق حبیب ہونا
یہ کامیابی ہے عاشقی کی یہی تو ہے خوش نصیب ہونا
ادھر وہی طبع کی نزاکت اُدھر زمانہ کی آنکھ بدلی
بڑی مصیبت شریف کو ہے امیر ہو کر غریب ہونا
عطا ہوئی ہے اگر بصیرت تو ہے یہ حالت مقام حیرت
خدا سے اتنا بعید رہنا خودی سے اتنا قریب ہونا
رسولِ اکرم ﷺ کی ہسٹری کو پڑھو تو اول سے تا بہ آخر
وہ آپ ثابت کرے گی اپنا عظیم ہونا عجیب ہونا
جو دل پہ گذری کروں گذارش بغیر پیچیدگی و سازش
فقیہہ ہونے کی ہے نہ خواہش نہ چاہتا ہوں ادیب ہونا
رہ طلب میں ہے بس مقدم شکستہ دل اور چشم پرنم
نہیں موثر کچھ اس میں ہمدم امیر ہونا غریب ہونا
نظر کر ان کی طرف ادب سے تو پھیر دیں تیرے دل کو سب سے
عجب نہیں عاشقان رب سے ظہور کارِ عجیب ہونا

☆☆﴿۱۸﴾☆☆

جو مل گیا وہ کھانا داتا کا نام جپنا
اس کے سوا بتاؤں کیا تم سے کام اپنا
رونا تو ہے اسی کا کوئی نہیں کسی کا
دنیا ہے اور مطلب ہے اور اپنا

اے برہمن ہمارا تیرا ہے ایک عالم
ہم خواب دیکھتے ہیں تو دیکھتا ہے سپنا
یہ دھوم دھام کیسی شوق نمود کیسا
بجلی کو دل کی صورت آتا نہیں تڑپنا
بے عشق کے جوانی کٹنی نہیں مناسب
کیونکر کہوں کہ اچھا ہے جیٹھ کا نہ تپنا

☆☆﴿۱۹﴾☆☆

نفس کے تابع ہوئے ایمان رخصت ہوگیا
وہ زنانے میں گھسے مہمان رخصت ہوگیا
مے انہوں نے پی اب ان کے پاس کیونکر دل لگے
جانور اک رہ گیا انسان رخصت ہوگیا
فرق ظاہر ہوگیا جب سے قلم اور تیغ کا
دل میں انشا کا جو تھا ارمان رخصت ہوگیا
کہہ دیا تھا میں نے کٹ جائیں جو ناقص شعر ہوں
یہ نتیجہ تھا کہ کل دیوان رخصت ہوگیا

☆☆﴿۲۰﴾☆☆

عقل کو کچھ نہ ملا علم میں حیرت کے سوا
دِل کو بھایا نہ کوئی رنگ محبت کے سوا
آئے گی تجھ کو نظر صانعِ عالم کی جھلک
سامنے کچھ نہ رکھ آئینہ فطرت کے سوا

تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں پیدا دفتر
ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

☆☆﴿۲۱﴾☆☆

جلوہ نظر آیا نہیں اے یار تمہارا
تڑپا ہی کیا طالبِ دیدار تمہارا

بڑھنے تو ذرا دو اثرِ جذبۂ دل کو
قائم نہیں رہنے کا یہ انکار تمہارا

دم بھر کے لیے آ کے اسے شکل دکھاؤ
مہمان دم چند ہے بیمار تمہارا

ہر دم نظر شوق کیا کرتا ہوں تم پر
ہر وقت میں رہتا ہوں گناہ گار تمہارا

صدمے شب فرقت کے اٹھائے نہیں جاتے
اب موت کا طالب ہے طلب گار تمہارا

عازم ہو تم اے حضرتِ دل کوئے بتاں کے
اللہ رہے یار و مددگار تمہارا

کس ناز سے کہتا ہے شب وصل وہ ظالم
برہم نہ کرے گیسوؤں کو پیار تمہارا

اکبر کی تمناؤں سے کہتا ہے یہ گردوں
اس دور سے اٹھنے کا نہیں بار تمہارا

☆☆ ۲۲ ☆☆

بتکدے میں مطمئن رہنا مرا دشوار تھا

بت تو اچھے تھے برہمن درپے آزاد تھا

اکبر مرحوم کتنا بے خود و سرشار تھا

ہوش ساری عمر اس کی زندگی پر بار تھا

نزع میں آئی تجلی روئے جاناں کی نظر

زہر سمجھے تھے جسے وہ شربت دیدار تھا

دِل ہی دل میں ہو لئے مست مئے منصور ہم

شرع میں رخنے کا خطرہ تھا نہ خوف دار تھا

خانہ تن کی خرابی کا میں کر تارنج کیا

گوہر جاں پر فقط اک گرد کا انبار تھا

رنگ گلزار جہاں کا قدر دان مجھ سا تھا کون

جو گل رنگیں تھا میرے ہی گلے کا ہار تھا

☆☆ ۲۳ ☆☆

فسونِ بت سے بچا بند باب دیر رہا

خدا نے فضل کیا طفل دِل بخیر رہا

تعجب آتا ہے ان کے مذاق پر مجھ کو

چمن خزاں میں بھی جن کا محل سیر رہا

فسانے رہ گئے اکبر کی بت پرستی کے

نہ بت رہے نہ برہمن رہے نہ دیر رہا

☆☆﴿۲۴﴾☆☆

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا
جو خرد مند ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں یہ بات
خیر خواہی وہ نہیں ہے جو ہو ڈر سے پیدا
رنج دنیا سے بہت مضطرب الحال تھا یہ
دل میں تسکین ہوئی مذہب کے اثر سے پیدا

☆☆﴿۲۵﴾☆☆

یہ بت پنہاں نہیں ہوتے خدا ظاہر نہیں ہوتا
غنیمت وہ زمانہ ہے کہ میں کافر نہیں ہوتا
ترا ناوک بھی اے صیاد کیا ہی روح پرور ہے
کہ تیرا عبد بسمل رہتا ہے آخر نہیں ہوتا
علوم دینوی کے بحر میں غوطے لگانے سے
زباں گو صاف ہو جاتی ہے دل طاہر نہیں ہوتا
تری چشم فسوں گر کا اشارہ ہے یہ نرگس سے
فقط نظارہ کرنے سے کوئی ساحر نہیں ہوتا
نہ خلق اس کی خبر لیتی نہ عقل اس کی مدد کرتی
خدا جب تک کسی کا حافظ و ناصر نہیں ہوتا
حضور قلب اگر حاصل نہیں تجھ کو تعجب کیا
خدا جب دل سے غائب ہو تو دل حاضر نہیں ہوتا

یہ حق گوئی ہے اکبر کی کہ ہے جس کا اثر اتنا
فسوں کیسا مسلمان آدمی ساحر نہیں ہوتا

☆☆﴿۲۶﴾☆☆

یہ سست ہے تو پھر کیا وہ تیز ہے تو پھر کیا
نیٹو جو ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا
رہنا کسی سے دب کر ہے امن کو ضروری
پھر کوئی فرقہ ہیبت انگیز ہے تو پھر کیا
رنج و خوشی کی سب میں تقسیم ہے مناسب
بابو جو ہے تو پھر کیا چنگیز ہے تو پھر کیا
ہر رنگ میں ہیں پاتے بندے خدا کی روزی
ہے پینٹر تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا
جیسی جسے ضرورت ویسی ہی اس کی چیزیں
یاں تخت ہے تو پھر کیا واں میز ہے تو پھر کیا
حق سے اگر ہے غافل ہرگز نہیں ہے عاقل
ہنری جو ہے تو پھر کیا پرویز ہے تو پھر کیا
مفقود ہیں اب اس کے سننے سمجھنے والے
میرا سخن نصیحت آمیز ہے تو پھر کیا
کیسی ہی سلطنت ہو سب خوش نہ رہ سکیں گے
گر ترک ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا
منزل وہی ہے جس کو نبیوں نے ہے بتایا

اسٹیم ہے تو پھر کیا مہمیز ہے تو پھر کیا

گھر کا چراغ دیکھو یعنی کہ دل سنبھالو

کوئی انار دم بھر گلریز ہے تو پھر کیا

اسلام و حق کے حامی ہرگز نہیں ہیں ہم تم

حرص و غرور حسرت انگیز ہے تو پھر کیا

دونوں ہی مر رہے ہیں دونوں کا حشر ہوگا

نیٹو جو ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا

☆☆﴿۲۷﴾☆☆

مے خانہ رفارم کی چکنی زمین پر

واعظ کا خاندان بھی آخر پھسل گیا

کیسی نماز بال میں ناچو جناب شیخ

تم کو خبر نہیں کہ زمانہ بدل گیا

یہ پاس اور وہ پاس نہ موجد نہ اہل زر

اخبار میں جو چھپ گئے ارماں نکل گیا

☆☆﴿۲۸﴾☆☆

فطرت میں سلسلہ ہے کمال و زوال کا

گھٹنا ہے بدر کا تو ہے بڑھنا ہلال کا

پر تو جو اس میں ہے ترے حسن و جمال کا

عالم ہے شیفتہ مرے رنگِ خیال کا

نظارہ کر رہا ہوں بت بے مثال کا

شانِ خدا ہے ساتھ شباب و جمال کا
ہم اپنے فقر میں بھی ہیں اک آن بان سے
کملی ہماری رنگ دکھاتی ہے شال کا
اس مس پہ کون میرے سوا ہو فریفتہ
گاہک میں ہی ہوں ہند میں لندن کے مال کا
رکھنا پڑا ہے اس بت کافر سے میل جول
موقع نہیں ہے بحث حرام و حلال کا
الفت میں فرض ہے بت کافر کا اتباع
موقع نہیں ہے بحث حرام و حلال کا
دور فلک میں چاند کی قسمت بھی خوب ہے
ہے بس عروج خاتمہ اس کے زوال کا
اک عکس ناتمام پہ عالم کی وجد ہے
کیا پوچھنا ہے آپ کے حسن و جمال کا
ماضی تو ختم ہوچکا مستقبل آئے گا
ممکن نہیں بیان کروں حال حال کا
بلبل کی شاخ گل پہ باقی رہے نظر
نشو و نما جو دیکھ لے اس نونہال کا

☆☆﴿۲۹﴾☆☆

طریق عشق میں مجھ کو کوئی کامل نہیں ملتا
گئے فرہاد و مجنوں اب کسی سے دل نہیں ملتا

بھری ہے انجمن لیکن کسی سے دل نہیں ملتا
ہمیں میں آ گیا کچھ نقص یا کامل نہیں ملتا

پرانی روشنی میں اور نئی میں فرق اتنا ہے
اسے کشتی نہیں ملتی اسے ساحل نہیں ملتا

پہنچنا درد کو مظلوم کا مشکل ہی ہوتا ہے
کبھی قاضی نہیں ملتے کبھی قاتل نہیں ہوتا

حریفوں پر خزانے ہیں کھلے یاں ہجر گیسو ہے
وہاں پے بل ہے اور یاں سانپ کا بھی بل نہیں ملتا

یہ حسن و عشق ہی کا کام ہے شبہ کریں کس پر
مزاج ان کا نہیں ملتا ہمارا دل نہیں ملتا

چھپا ہے سینہ و رخ دلستاں ہاتھوں سے کروٹ میں
مجھے سوتے میں بھی وہ حسن سے غافل نہیں ملتا

حواس و ہوش گم ہیں بحر عرفان الٰہی میں
یہی دریار ہے جس میں موج کو ساحل نہیں ملتا

کتاب دل مجھے کافی ہے اکبر درس حکمت کو
میں اسپنسر سے مستغنی ہوں مجھ سے مل نہیں ملتا

☆☆﴿۳۰﴾☆☆

ہستی حق کے معانی جو مرا دِل سمجھا
اپنی ہستی کو اک اندیشہ باطل سمجھا
وہ شناور ہوں جو ہر موج کو ساحل سمجھا

وہ مسافر ہوں جو ہر گام کو منزل سمجھا

حضرت دل کو چڑھا آیا میں بت خانہ میں
ان کے انداز سے ان کو اسی قابل سمجھا

ہوئی دنیا میں مرے جوش جنوں کی تکریم
تیرے دیوانے کو عاقل نے بھی کامل سمجھا

کافر سہل نہ تھی عشق بتاں کھیل نہ تھا
بخدا میں تو اسی سے اسے مشکل سمجھا

ان نگاہوں کے اشاروں سے طبیعت تڑپی
ان اشاروں کے معانی کو مرا دل سمجھا

ضعف سے میں جو گھٹا اور بڑھا اس کا ستم
یاں زباں ہل نہ سکی وہ متحمل سمجھا

اُترا دریا میں پئے غسل جو وہ غیرت گل
شور امواج کو میں شور عنا دل سمجھا

کفر و اسلام کی تفریق نہیں فطرت میں
یہ وہ نکتہ ہے جسے میں بھی بہ مشکل سمجھا

شیخ نے چشمِ حقارت سے جو دیکھا مجھ کو
بخدا میں اسے اللہ سے غافل سمجھا

وہ بھی نافہم ہے جو خضر کا طالب نہ ہوا
وہ بھی نادان ہے جو خضر کو منزل سمجھا

نہ کیا یار نے اکبر کے نجوں کو تسلیم
مل گئی آنکھ تو کچھ سوچ کے عاقل سمجھا

☆☆﴿۲۴﴾☆☆

مہربانی ہے عیادت کو جو آتے ہیں مگر
کس طرح ان سے ہمارا حال دیکھا جائے گا

دفتر دنیا الٹ جائے گا بالکل یک قلم
ذرہ ذرہ سب کا اصلی حال دیکھا جائے گا

آفیشل اعمال نامہ کی نہ ہوگی کچھ سند
حشر میں تو نامہ اعمال دیکھا جائے گا

بچ رہے طاعون سے تو اہل غفلت بول اُٹھے
اب تو مہلت ہے پھر اگلے سال دیکھا جائے گا

نہ کرو صاحب نسب نامے وہ وقت آیا ہے اب
بے اثر ہوگی شرافت مال دیکھا جائے گا

رکھ قدم ثابت نہ چھوڑ اکبر صراط مستقیم
خیر چل جانے دے ان کی چال دیکھا جائے گا

☆☆﴿۳۲﴾☆☆

سینہ کا زخم آہ کی سختی سے چھل گیا
اچھا ہوا مزہ تو محبت کا مل گیا

ایسے ستم کئے کہ مرا قلب ہل گیا
اور اس طرح کہ سینہ کا ہر داغ چھل گیا

تیرا پتہ چمن کو صبا سے جو مل گیا
بلبل کو وجد آ گیا غنچہ بھی کھل گیا

تعلیم مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے
سب مل گیا اسے جسے اللہ مل گیا

ہوتا ہے انبساط غذائے لطیف سے
غنچے کو دیکھئے کہ ہوا کھا کے کھل گیا

کس نے نگاہ ناز سے دیکھا ہے اس طرف
فریاد کر رہا ہے جگر ہائے دل گیا

خوش قسمتی پہ اپنی بجا ہے کروں جو ناز
اپنے ہی دل میں مجھ کو مرا رب بھی مل گیا

کھلتا نہیں کہ شیخ سے اکبر نے کیا کہا
آیا تھا جوشِ دِل سے مگر مضمحل گیا

☆☆﴿۳۲﴾☆☆

وہ شعلہ شوق کا سینے میں مشتعل نہ رہا
تری نظر نہ رہی وہ مرا وہ دل نہ رہا

ملا جو خانہ تن خاک میں تو ملنے دو
یہ رنج کیا ہے کہ زندانِ آب و گل نہ رہا

☆☆﴿۳۳﴾☆☆

چودھویں منزل میں وہ ماہ خوش اقبال آ گیا
صبر و تقویٰ پر جو بھاری ہے وہی سال آ گیا

اُلفت گیسو نے آخر دی مرے دل کو شکست
ہائے کیا انمول شیشہ تھا مگر بال آ گیا

عالم فطرت پہ ہے میری نظر بھی اے حکیم
فرق یہ ہے تجھ کو عقل آئی مجھے حال آ گیا

دعوے علم و خرد میں جوش تھا اکبر کو رات
ہوگیا ساکت مگر جب ذکر اقبال آ گیا

☆☆﴿۳۵﴾☆☆

وہ مطرب اور وہ ساز وہ گانا بدل گیا
نیندیں بدل گئیں وہ فسانہ بدل گیا

رنگ رخ بہار کی زینت ہوئی نئی
گلشن میں بلبلوں کا ترانا بدل گیا

فطرت کے ہر اثر میں ہوا ایک انقلاب
پانی فلک پہ کھیت میں دانا بدل گیا

حد شہر عافیت کی نئی طرز پر بندھی
وہ چوکیاں بدل گئیں تھانا بدل گیا

☆☆﴿۳۶﴾☆☆

اس گوہر نایاب سے واقف نہیں دینا
آسان نہیں دل کا مرے دام لگانا

خوب آتا ہے صاحب کو خود اک بات کا کرنا
اور بات پڑے جب تو مرا نام لگانا

☆☆﴿۳۷﴾☆☆

زلف نے پر تو ویں نام کو رہنے نہ دیا
آخر اس لام نے اسلام کو رہنے نہ دیا
دو مرادیں جو ملیں چار تمنائیں کیں
ہم نے خود قلب میں آرام کو رہنے نہ دیا
موت کو بھول گیا دیکھ کے جینے کی بہار
دل نے پیش نظر انجام کو رہنے نہ دیا

☆☆﴿۳۸﴾☆☆

نورعرفاں عقل کے پردے میں پنہاں ہوگیا
ہوش میں آنا حجاب روئے جاناں ہوگیا
بتکدے میں شور ہے اکبر مسلماں ہوگیا
بیوفاؤں سے کوئی کہہ دے کہ ہاں ہاں ہوگیا
انتشار اہل معنی فیض سے خالی نہیں
بوئے خوش پھیلی اگر غنچہ پریشاں ہوگیا
باعث تسکین نہ تھا باغ جہاں کا کوئی رنگ
جس روش پر چلا آخر پریشاں ہوگیا
خوابِ راحت بن گیا خوفِ خدا بعد فنا
حشر میں حسنِ عمل گلزار رضواں ہوگیا
ان کی صورت دیکھ کر آنے لگی یاد خدا
نور رخ ان کا چراغِ راہِ عرفاں ہوگیا

دونوں کو تشبیہ دی تھی عارضِ محبوب سے
آئینہ حیرت میں آیا گل پریشاں ہوگیا

تیغ کھینچی اس نے ممنون توجہ ہم ہوئے
حسن وہ افسوں ہے جس سے ظلم احساں ہوگیا

طاقت فریاد بھی مجھ میں نہ باقی رہ گئی
ظلم کرنا آپ کو مجھ پر اب آساں ہوگیا

خوان الوان فلک پر کیا مسرت ہو مجھے
گور کا لقمہ ہوا جو اس کا مہماں ہوگیا

فرقتِ جاناں میں کیسی خوش دلی اے ہمنشیں
انبساط طبع نذر رنج ہجراں ہوگیا

صورتِ ظاہر میں دِل اک قطرہ خوں تھا فقط
آگیا جب جوش میں معنی کا طوفاں ہوگیا

جس سے کہتے ہیں وہ کہتا ہے کہ یہ سب وہم ہے
اب ہمارا حال بھی خواب پریشاں ہوگیا

بس یہی دولت مجھے دی تو نے اے عمر دراز
سینہ اک گنجینۂ داغ عزیزاں ہوگیا

اور عالم میں ہوں میں اے فاتحہ خواں بعد مرگ
میں نہ تھا وہ جسم جو مٹی میں پنہاں ہوگیا

بڑھ گئی سوزش جو تجھ بن گل کھلے گلزار میں
زخم دل کے حق میں ہر غنچہ نمک داں ہوگیا

کر دیا اہلِ بصیرت فیض ساقی نے مجھے

ساغرِ مے آفتابِ اوجِ عرفاں ہوگیا

اک نظر کا ہے تعلق اس جہاں سے ہوش کو

سب کا سب اک جنبشِ مژگاں میں پنہاں ہوگیا

دیکھنا مشروطِ دیں ہوتا تو ہوتا بت پرست

کچھ نہ دیکھا اس کی برکت سے مسلماں ہوگیا

☆☆﴿۳۹﴾☆☆

درد نے جا اس میں کی اک سوز پنہاں ہوگیا

لِلّٰہ الحمد اب مرا دل بھی مسلماں ہوگیا

جلوۂ حسن بتاں آشوبِ دوراں ہوگیا

اللہ اللہ آفتِ دینِ مسلماں ہوگیا

اشک خوں آلود آنکھوں میں نمایاں ہوگیا

دیکھیے دل بھی شریکِ چشمِ گریاں ہوگیا

رنگ خوں اب صاف آنکھوں میں نمایاں ہوگیا

دیکھیے دل بھی شریکِ چشمِ گریاں ہوگیا

اس نے پوچھا ہوگیا آسودہ بوسہ لے کے تو

میں نے ناحق کہہ دیا جلدی میں جی ہاں ہوگیا

سر بھی کھا جائے گا ظالم جان بھی کھائے جائے گا

سخت مشکل ہے کہ ناصح میرا مہماں ہوگیا

انقلابِ دہر دیکھو بن گیا آقا غلام

قصر کا مالک جو تھا اب اس کا درباں ہوگیا

دیکھنے سے شوق پیدا شوق سے پیدا طلب
آفتِ دل آنکھ تھی دل آفت جاں ہوگیا
قبل ہستی ان عوارض سے بری تھا دل مرا
اس سفر میں مبتلائے دین و ایماں ہوگیا
عظمت خالق نہ سمجھا قدر دل اس نے نہ کی
جو پے لذت مطیع نفس شیطاں ہوگیا
پوچھتے کیا ہو اصول مذہب رندان عشق
یار کا ارشاد ان کا دین و ایماں ہوگیا
میری قسمت تھی کہ ہر پتا بنا بانگ عس
بخت دشمن تھا کہ خواب چشم درباں ہوگیا
اس توقع پر کہ تیرے پیرہن میں صرف ہو
ماہ نو بھی چرخ پر شکل گریباں ہوگیا
اس لبِ شیریں کے بوسوں نے کیا شریں سخن
لی زباں ان کی جو منہ میں میں زباں داں ہوگیا
کی ترقی چشم بد دور ایسی اپنے رنگ میں
اکبر اب مسند نشین بزم رنداں ہوگیا

☆☆ ۴۰ ☆☆

کر گئی کام نگاہ مس پر فن کیسا
تج چلے دیر و حرم شیخ و برہمن کیسا
اس کو چکر ہی رہا اور یہ خدا تک پہنچا

دل پر سوز جو ہاتھ آئے تو انجن کیسا
اصل سے ہو کے جدا نشوونما کی امید
مجھ کو حیرت ہے کہ بوڑھوں میں یہ بچپن کیسا

☆☆﴿۴۱﴾☆☆

خدا کے ہوتے بتوں کو پوجوں نہیں تھا مطلق گمان ایسا
مگر تمہیں دیکھ کر تو واللہ آ چلا مجھ کو دھیان ایسا
وہ چھت پہ بے پردہ سو رہے ہیں فلک قمر سے یہ پوچھتا ہے
بتا تو تیری نظر سے گذرا ہے کوئی خوش رو جوان ایسا
بھلا ہی دیتی ہو جس کو دنیا مٹا ہی دیتا ہو جس کو گردوں
عبث ہے انسان چاہتا ہے جو نام ایسا نشاں ایسا
بھرا ہوا دل جو ذوق سے ہو خدا کی یاد اس میں شوق سے ہو
وہاں کے جلوؤں کا پوچھنا کیا مکین ایسا مکان ایسا
دل و جگر کو فراق بت میں حوالہ چشم تر کروں گا
کبھی کسی نے کیا نہ ہوگا کنارہ گنگ دان ایسا

☆☆﴿۴۲﴾☆☆

دنیا کے مباحث یہ مری نظروں میں ہیں کیا
اتنا تو کوئی پہلے بتائے مجھے میں کیا
تو کہیے اگر وقعت عاشق نہیں دل میں
یہ کون سی سیکھی ہے زبان آپ نے تیں کیا

☆☆﴿۴۳﴾☆☆

زلف پیچاں کا تصور مجھے کرنا ہی نہ تھا
ہوگئی مفت طبیعت میں اک الجھن پیدا
شرم کی جا ہے نہ ہو دل میں جو داغوں کی بہار
سینہ خاک بھی کر لیتا ہے گلشن پیدا
میری ہر بات کا رخ ہے طرف عارض یاد
میرے ہر شعر سے ہیں معنی روشن پیدا
دیدہ و دل سے کھٹکتے رہو ہر دم اکبر
دوستوں ہی میں سے ہو جاتے ہیں دشمن پیدا

☆☆﴿۴۴﴾☆☆

کوئی ہے دہر میں خون جگر کہیں پیتا
کوئی زمانہ میں ہے شیرو انگبیں پیتا
میں اُن کی بزم سے اٹھ آیا قبل دور شراب
محل شرم تھا کہنا کہ میں نہیں پیتا
سرور روح ہے حاصل ولائے حیدر سے
میں جام کوثر و تسنیم ہوں یہیں پیتا
نہ ملتی پشے کو دنیا میں قوت پروانہ
اگر یہ خون کسی کا براہ کیں پیتا
ہر ایک قطرے کے بدلے میں دیتا اک دانہ
تری طرح کوئی پانی جو اے زمیں پیتا

جھجکتے کیوں ہو جو ہوتا ہے اعتراض اکبر
جواب کیوں نہیں دیتے بہت نہیں پیتا

☆☆ ﴿۴۵﴾ ☆☆

شکایت جوشِ اُلفت سے ہوئی تھی اے حسین پیدا
تعجب ہے اگر اس سے ہوئی چیں جبیں پیدا
فریب عقل ظاہر بیں ہے یہ سب ورنہ اے اکبر
ہمیں فانی ہمیں باقی ہمیں پنہاں ہمیں پیدا

☆☆ ﴿۴۶﴾ ☆☆

مری تقریر کا اس مس پہ کچھ جادو نہیں چلتا
جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا
کمر باندھی بھی یاروں نے جو راہ حبِ قومی میں
وہ بولے تو نہیں چلتا وہ بولے تو نہیں چلتا
کہا پیر طریقت نے اکڑ کر اپنی ٹمٹم پر
یہی منزل ہے جس میں شیخ کا ٹٹو نہیں چلتا
لطیف الطبع ساتھی چاہیے فیاض طینت کا
چمن سے بے ہوا کے کاروانِ نہیں چلتا

☆☆ ﴿۴۷﴾ ☆☆

ستم دورِ گردوں کے سہہ جاؤں گا
جو گذرے گی دل پر وہ کہہ جاؤں گا
دعا ہے کہ مر کر بھی رہ جاؤں کچھ

دگر نہ یونہیں مر کے رہ جاؤں گا

☆☆﴿۴۸﴾☆☆

ہمیشہ آپ کے آگے میں دست بستہ رہا
مگر دل آپ کے قابو میں تھا شکستہ رہا
ذرا تو پختہ شریفوں کو باغ دہر میں دیکھ
انہیں کا حال ہر اک سے زیادہ خستہ رہا

☆☆﴿۴۹﴾☆☆

جناب شیخ سے جا کر ذرا لِلّٰہ کہہ دینا
کہ گم راہی تھی مجھ سے رند کو گمراہ کہہ دینا
بہت مشکل ہے بچنا بادہ گلگوں سے خلوت میں
بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا
مرے خط میں سلام اغیار کو قاصد یہ کیا معنی
نہایت رنج ہے اس کا مجھے واللہ کہہ دینا
تمہاری مرحبا سے شعر کی ہو جائے گی عزت
نہ نکلے واہ دل سے تو زباں سے واہ کہہ دینا

☆☆﴿۵۰﴾☆☆

اگرچہ تسکین طبع ملت ہے حب قومی میں آہ کرنا
مفید تر ہے مگر دلوں کو رجوع سوئے الہ کرنا
وفائے وعدہ سے چشم پوشی ہمیشہ غام و پگاہ کرنا
حضور نے کیا ثواب سمجھا ہے منتظر کو تباہ کرنا

یہ کس سے سیکھا ہے تیری آنکھوں نے اس بلا کی نگاہ کرنا
بنائے دیں کو خراب کرنا دلوں کو اتنا تباہ کرنا

کہیں گے تعمیل ذات پر نشان دو یا پتہ بتاؤ
بتوں کے آگے ہے سخت مشکل خدا کو اپنا گواہ کرنا

نئی ادا یہ نہیں فلک کی سدا سے اس کا یہی ہے شیوہ
کسی کو حد سے سوا بڑھانا کسی کو بالکل تباہ کرنا

کہا جو میں نے نہ توڑ دل کو تجھے مناسب ہے دلنوازی
تو ہنس کے بولا کہ سہل ہوگا دل شکستہ میں راہ کرنا

جہان صورت کا ذرہ ذرہ جمال معنی کا آئینہ ہے
مگر انھیں کو جو دیکھتے ہیں جو جانتے ہیں نگاہ کرنا

کہے کوئی شیخ سے یہ جا کر کہ دیکھئے آکے بزم سیّد
یہ رونق اور یہ چہل پہل ہو تو کیا برا ہے گناہ کرنا

وہ دور چرخ آرہا ہے اکبر کہ اہلِ تقویٰ ہیں زار و مضطر
بزرگ بھی طفل دل کو اپنے سکھا رہے ہیں گناہ کرنا

☆☆ ﴿۵۱﴾ ☆☆

مجھ کو نہ کبھی اس بت دِل خواہ نے چاہا
اب میں بھی نہ چاہوں گا جو اللہ نے چاہا

ساتھ ان کا نہ چھوڑا کسی حالت میں بھی اس نے
شعروں کو مرے خوب ہی اس واہ نے چاہا

☆☆﴿۵۲﴾☆☆

خوشی سے باخبر مٹنے پہ راضی ہو نہیں سکتا
خیال دین و عزت امر ماضی ہو نہیں سکتا
عمل بیجا اگر ہو روکنا واجب ہے اکبر کو
امیدوں پر مگر کچھ حکم قاضی ہو نہیں سکتا

☆☆﴿۵۳﴾☆☆

جس روشنی میں لوٹ ہی کی آپ کو سوجھے
تہذیب کی میں اس کو تجلی نہ کہوں گا
لاکھوں کو مٹا کر جو ہزاروں کو ابھارے
اس کو تو میں دنیا کی ترقی نہ کہوں گا

☆☆﴿۵۴﴾☆☆

ہے غضب جلوہ دیر فانی کا
پوچھنا کیا ہے اس کے بانی کا
دیدہ ہے محوِ دیر فانی کا
دِل ہے مشتاق اس کے بانی کا
جان دے دی غم حسیناں میں
حق ادا کر دیا جوانی کا
خواب جی بھر کے ہو لئے بدنام
حق ادا کر دیا جوانی کا
کرتے ہیں مجھ سے غیر کا شکوہ

شکر ہے ان کی مہربانی کا

دل میں سوزش ہے آنکھ میں آنسو
عشق ہے کھیل آگ پانی کا

غور کر کیا ہے زندگی کی بنا
سوچ کیا حق ہے اس کے بانی کا

نہ ملا خاک میں عمل اپنے
شوق رکھ فیض آسمانی کا

ہوش بھی بار ہے طبیعت پر
کیا کہوں حال ناتوانی کا

قتل سے پہلے ہی کلورا فارم
شکر ہے ان کی مہربانی کا

شیخ درگور و قوم در کالج
رنگ ہے دور آسمانی کا

انجن آیا نکل گیا زن سے
سن لیا نام آگ پانی کا

بات اتنی اور اس پہ یہ طومار
غل ہے یورپ پہ جانفشانی کا

علم پورا ہمیں سکھائیں اگر
تب کریں شکر مہربانی کا

☆☆﴿۵۵﴾☆☆

یوں مری طبع سے ہوتے ہیں معانی پیدا
جیسے ساون کی گھٹاؤں سے ہو پانی پیدا

کیا غضب ہے نگہ مست مس بادہ فروش
شیخ فانی میں ہوا رنگ جوانی پیدا

یہ جوانی ہے کہ پاتا ہے جنوں جس سے ظہور
یہ نہ سمجھو کہ جنوں سے ہے جوانی پیدا

بیخودی میں تو یہ جھگڑے نہیں رہتے اے ہوش
تونے کر رکھا ہے اک عالم فانی پیدا

کوئی موقع نکل آئے کہ بس آنکھیں مل جائیں
راہیں پھر آپ ہی کر لے گی جوانی پیدا

ہر تعلق مرا سرمایہ ہے اک ناول کا
میری ہر رات سے ہے ایک کہانی پیدا

جنگ ہے جرم محبت ہے خلافِ تہذیب
ہوچکا ولولۂ عہد جوانی پیدا

کھوگئی ہند کی فردوس نشانی اکبر
کاش ہو جائے کوئی ملٹن[۶] ثانی پیدا

☆☆﴿۵۶﴾☆☆

جو ناصح مرے آگے بکنے لگا
میں کیا کرتا منہ اس کا تکنے لگا

محبت کا تم سے اثر کیا کہوں
نظر مل گئی دِل دھڑکنے لگا
بدن چھو گیا آگ سی لگ اٹھی
نظر مل گئی دِل دھڑکنے لگا
رقیبوں نے پہلو دبایا تو چپ
میں بیٹھا تو ظالم سرکنے لگا
جو محفل میں اکبر نے کھولی زبان
گلستان میں بلبل چہکنے لگا

☆☆﴿۵۷﴾☆☆

نظام عالم بتا رہا ہے کہ ہے اک اس کا بنانے والا
ظہورِ آدم دکھا رہا ہے کہ دل میں ہے کوئی آنے والا
نسیم مستانہ چل رہی ہے چمن میں پھر رت بدل رہی
صدا یہ دل سے نکل رہی ہے وہی ہے یہ گل کھلانے والا

☆☆﴿۵۸﴾☆☆

خودی گم کر چکا ہوں اب خوشی و غم سے کیا مطلب
تعلق ہوش سے چھوڑا تو اب عالم سے کیا مطلب
قناعت جس کو ہے وہ رزق یا محتاج پر خوش ہے
سمجھ جس کو ہے اس کو بحث بیش وکم سے کیا مطلب
جسے مرنا نہ ہو وہ حشر تک کی فکر میں الجھے
بدلتی ہے اگر دنیا تو بدلے ہم سے کیا مطلب

مری فطرت میں مستی ہے حقیقت ہیں ہے دل میرا
مجھے ساقی کی کیا حاجت ہے جام و جم سے کیا مطلب

خود اپنی ریشن میں الجھے ہوئے حضرتِ واعظ
بھلا ان بتوں کے گیسوئے پر خم سے کیا مطلب

نئی تعلیم کو کیا واسطہ ہے آدمیت سے
جناب ڈارون کو حضرت آدم سے کیا مطلب

صدائے سرمدی سے مست رہتا ہوں سدا اکبر
مجھے نغموں کی کیا پرواہ مجھے سرگم سے کیا مطلب

☆☆﴿۵۸﴾☆☆

خدا کے منکر نبی سے غافل کہاں کے پیر اور امام صاحب
انہیں کے در پر جھکی ہے خلقت سلام صاحب، سلام صاحب

کہاں کی پوجا، نماز کیسی، کہاں کی گنگا، کہاں کا زم زم
ڈٹا ہے ہوٹل کے در پہ ہر اک ہمیں بھی دو ایک جام صاحب

ہزار سمجھاتے ہیں وہ سب کو کہ سب نہیں نام دار ہوتے
کرو خموشی و نیک بختی سے جا کے تم گھر کا کام صاحب

مگر نہیں مانتا ہے کوئی ہر اک کی یہ التجا ہے ان سے
مجھے بھی تم چھاپ دو کہیں پر مرا بھی ہو جائے نام صاحب

مری تمہاری نہیں نبھے گی سدھارتا ہوں میں اب یہاں سے
سلام صاحب سلام صاحب سلام صاحب سلام صاحب

☆☆﴿۶۰﴾☆☆

اے جانِ جہاں حور نہ اچھی نہ پری خوب
ہے میری نگاہوں میں تری جلوہ گری خوب

تشبیہ میں دوں گا اسے رفتار صنم سے
واللہ تری چال ہے اے کبک دری خوب

یوں ترچھی نگاہوں سے مجھے قتل بھی کرنا
پھر صاف مکرنا کہ میں ہوں اس سے بری خوب

کھلتا ہے مرا غنچۂ دل آہ سحر سے
عاشق کے لیے ہے یہ نسیم سحری خوب

منہ کھول کے سویا ہے وہ گل صحن چمن میں
لطف آج اٹھائے گی نسیم سحری خوب

سچ یہ ہے کہ واعظ مجھے بھاتا ہے نہ اکبر
وہ خبط ہی اچھا نہ یہ شوریدہ سری خوب

☆☆﴿۶۱﴾☆☆

کہتے ہیں فطرت جسے یہ ہے نقاب روئے دوست
ہے اسی پردے میں پنہاں آفتاب روئے دوست

پردۂ فطرت خرد افروز، حکمت خیز ہے
ہے جنوں انگیز لیکن آب و تاب روئے دوست

دیکھ لی جس نے جھلک اس کی وہ پہنچا دار پر
زینت منبر ہوا محو حجاب روئے دوست

ذوق معنی ہو تو اے اکبر نظر آگے بڑھا
عالم نیچر تو ہے لوحِ کتابِ رُوئے اوست

☆☆﴿۶۲﴾☆☆

ماہ نُو بھی نہیں چمکا ترے ابرو کی طرح
نکہت گل بھی نہ نکلی تری خوشبو کی طرح
کونسی تیغ ہے تیغِ خمِ ابرو کی طرح
کہ اشاروں ہی میں چل جاتی ہے جادو کی طرح
وہ ادا کی کہ قضا آگئی خودداری کی
وہ نظر کی کہ اثر کر گئی جادو کی طرح
گل میں وہ شوخی رنگ رُخِ محبوب کہاں
سرو میں لوچ کہاں اس قدر دلجو کی طرح
مجھ کو دم بھر بھی زمانہ میں نہیں چین نصیب
مضطرب شیشہ ساعت میں ہوں بالو کی طرح
حسن میں کب ہو قمر کو ترے مانند ثبات
کبھی عارض کی طرح ہے کبھی ابرو کی طرح
نہ یہ جنبش ہے نہ یہ نوک پلک ہے اُس میں
قطع میں گو ہے ہلال آپ کے ابرو کی طرح
کم بضاعت کو جو اِک ذرہ بھی ہوتا ہے فروغ
خود نمائی کو وہ اڑ چلتا ہے جگنو کی طرح
دِل کا میلان یقینی ہے سخن میں جو ہو وزن

طبع سنجیدۂ سامع ہے ترازو کی طرح
کیا کہوں شوقِ شہادت کو میں تجھ سے قاتل
روز افزوں ہے تری قوت بازو کی طرح
خالی از لطف نہیں آنکھ چرانا ان کا
فرحت افزائے نظر ہے رم آہو کی طرح
گلشنِ عشق میں ہے اشک اگر جوئے رواں
خوشنما آہ بھی ہے سرد لبِ جو کی طرح
ہر زمیں میں ترا مضمون ہے مطلوب اے دوست
کہیں ہو ہو کی ہے کہیں گو گو کی طرح
نیچی نظروں سے مرے دِل کو وہ کرتے ہیں شہید
ظلم پوشیدہ کیا کرتے ہیں جادو کی طرح
فرحت انگیز تو ہے ولولہ انگیز نہیں
نکہت گل بھی نہیں ہے تری خوشبو کی طرح
رنگ گل سے بھی سوا شوخ ہے تو رنگ میں یار
مگر افسوس کہ آوارہ بھی ہے بو کی طرح
ہمسر اس طرہ مشکیں کی نہیں کوئی بلا
کوئی فتنہ نہیں اس نرگس جادو کی طرح
ٹکڑے میرے دل روشن کے جو دیکھے تو کہا
کیا گلے میرے یہ پڑ جائیں گے جگنو کی طرح
جام مئے غیر کو دو میں نہ کروں گا شِکوہ
رنج کی بات ہے پی جاؤں گا آنسو کی طرح

سر جھکا فکر میں بیٹھ اپنی حقیقت کھل جائے
حق نما کوں ہے آئینہ زانو کی طرح

رشک آتا ہے جو تکیہ پہ وہ سر رکھتے ہیں
صاحب حسن نہ کہیں ہو مرے زانو کی طرح

نام کر جاتے ہیں دنیا میں جو خوش قسمت ہیں
کوئی مجنوں کی طرح کوئی ارسطو کی طرح

واعظا تیری زباں پر ہے مذمت مئے کی
یہ سخن تیرا گلو گیر ہو اُچھو کی طرح

ہو اشاروں کا اگر اہل نظر کے تابع
خلق آنکھوں پہ جگہ دے تجھے ابرو کی طرح

گلشن دہر میں اکبر کا کلام رنگین
کھل گیا گل کی طرح پھیل گیا بُو کی طرح

☆☆﴿۶۳﴾☆☆

اظہار مدعا میں کروں گا اسی طرح
وہ پیش آئیں اچھی طرح یا بری طرح

چاہوں گا تخلیہ نہ زیادہ بٹھاؤں گا
تشریف لائیے بھی تو حضرت کسی طرح

☆☆﴿۶۴﴾☆☆

دل ہو وفا پسند نظر ہو حیا پسند
جس حسن میں یہ وصف ہو وہ ہے خدا پسند

توڑوں پہ تیرے جھومنے لگتی ہے شاخِ گل
بے حد ہے تیرا ناچ مجھے اے صبا پسند

☆☆﴿۶۵﴾☆☆

پھرتی ہے ارض آفتاب کے گرد
بندہ چکر میں ہے جناب کے گرد
نہیں ٹلتا ہزار اسے ٹالو
عشق رہتا ہی ہے شباب کے گرد
شعلہ رویوں میں گھومیں سوختہ دل
آنچ لگتی رہے کباب کے گرد
کون مستی مری سنبھالے گا
میں تو جاتا نہیں شراب کے گرد

☆☆﴿۶۶﴾☆☆

وقت بہار گل دلم از ہوش دور بود
موج نسیم دشمنِ شمع شعور بود
می گفت دوش قصہ شوقت زبانِ دل
ہر حرف اُوحکایت موسیٰ و طور بود
یک جلوہ کر دو صورت پروانہ سو ختم
آرے ہمیں علاج دل ناصبور بود
خوش بودآں زماں خودی از خود خبر نداشت
ہوشم بخواب بودو و لم در حضور بود

یک ساعت حضوری اُو ایں چنیں گذشت
من عجز بودم اوہمہ ناز و غرور بود
بیدل مشو بگفتۂ منکر زجہل
وہمش بگفت انچہ بچشم تو نور بود
اکبر بہ پیش پیر مغاں کرو اعتراف
غوغائے من بہ خلق ہمہ مکرو زور بود

☆☆﴿۶۷﴾☆☆

گذشتند آں قدر یاراں زحد سید اے اکبر
کہ آں مرحوم اکنوں در شمار شیخ می آید

☆☆﴿۶۸﴾☆☆

فسردگی ہوئی پیدا اس انتشار کے بعد
ہزار حیف کہ فالج گرا بخار کے بعد
کہا جو میں نے کہ دل چاہتا ہے پیار کروں
تو مسکرا کے وہ کہنے لگے کہ پیار کے بعد
بہت ہی بگڑے وہ کل مجھ سے پہلے بوسہ پر
خموش ہوگئے آخر کو تین چار کے بعد
گیا شباب تو اب آئینہ میں کیا دیکھو
وہ لطف ہی نہ رہا باغ میں بہار کے بعد
نہ بھول اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اے اکبر
خدا سکون بھی دے گا اس اضطرار کے بعد

☆☆ ﴿۶۹﴾ ☆☆

مذاق درد ہے دل کو مرے ہے آہ پسند
عجب نہیں اسے کر لے تری نگاہ پسند

خدا کا شکر دیا اُس نے مجھ کو بوسہ لب
کسے نصیب یہ حلوائے بادشاہ پسند

محل طعن نہیں ہے ہماری مئے خواری
ہنر کے حکم میں ہے عیب بادشاہ پسند

یہ بے اصولی لغزش بری ہے سالک کو
خدا کے واسطے تم کرلو ایک راہ پسند

نہ حلق سرکار ہے سودا مجھے نہ تیرتھ کا
بتوں سے گو کہ میں کرتا ہوں رسم و راہ پسند

خدا پرست بنائے گا کیا وہ لٹریچر
کرے جو طبع کو بے قید اور گناہ پسند

گناہ سخت بتوں سے ہے مدعا طلبی
غضب یہ ہے کہ مجھے ہے یہی گناہ پسند

فلاسفی کو ہے مرغوب طبع الا اللہ
طریق سینٹیفک کو ہے لا آلہ پسند

رہا رسُول کا درجہ سو وہ تو ہے قانون
کرے حریف اسے ناپسند خواہ پسند

اب اس کے آگے ہے جو کچھ گروہ بندی ہے

ہر اک کو اپنی ہی نسبت ہے واہ واہ پسند

☆☆ ۷۰ ☆☆

ملحداں را ہمہ اوصاف و ثنا ہا خوانند

مومناں رابخز اشند بہ دشنامے چند

غیرت دین بفرو شند بہ یک غمزۂ کفر

چشم پوشند ز ملت پے خود کامے چند

روح خودرا چو سپردی بہ غلامی حریف

چہ کنی ناز بہ نامے وبہ خدامے چند

پختہ وضعے کہ خدا عقل و تمیزش دا دست

قدمے ہم نہ نہد در رہ ایں خامے چند

ورد ایں نغمۂ حافظ کن و خوش باش اکبر

ہاں تو از بادۂ شیراز بزن جامے چند

اے گدایان خرابات خدا یار شماست

چشم انعام مدار ید ز انعامے چند

☆☆ ۷۱ ☆☆

دلالے چل ہمیں سوئے محمد ﷺ

دکھاوے جنت کوئے محمد ﷺ

شب عاشق ہیں گیسوئے محمد ﷺ

خدا کا نور ہے روئے محمد ﷺ

چمن قرآن ہے ہر لفظ اس کا ہے گل

نہاں ہر گل میں ہے بُوئے محمد ﷺ
مشامِ جاں معطر ہو رہا ہے

زہے سودائے گیسوئے محمد ﷺ
محمد ﷺ پھول ہیں واعظ صبا ہیں

کہ پھیلاتے پھریں بُوئے محمد ﷺ
یہ مژدہ اہلِ عالم کو سُنا دو

بھری رحمت سے ہے خوئے محمد ﷺ
خدا کے گھر سے ہے الحاق اس کو

یہ دیکھو رفعت کوئے محمد ﷺ
درُود اس پر ملائک بھیجتے ہیں

توجہ جس کی ہو سوئے محمد ﷺ
ہوئی زائل جہاں سے ظلمت کفر

پڑا جب پر تو روئے محمد ﷺ
ہوئے دِل دوز تیر الفت حق

کھینچی جب قوس ابروئے محمد ﷺ
منور نورِ وحدت سے ہوا دِل

نثارِ پر تو رُوئے محمد ﷺ
خدا کا پیا ہے اُس دِل پہ اکبر

کشش جس دِل کی ہے سُوئے محمد ﷺ

☆☆﴿۷۲﴾☆☆

آتا ہے وجد مجھ کو ہر دین کی ادا پر
مسجد میں ناچتا ہوں ناقوس کی صدا پر
اے برہمن کہوں گا ہر بحر کو میں فانی
موقوف کچھ نہیں ہے گنگا و نربدا پر
پڑ جائے آتے جاتے شاید نگاہِ سلطان
جو راہ سے الگ ہے افسوس اس گدا پر

☆☆﴿۷۳﴾☆☆

مجھے ہمنشیں ملا کیا انہیں حالِ دل سنا کر
وہ کہہ آئے ساری باتیں مرے دشمنوں سے جا کر
مری زندگی ہو کیونکر جو تو بے خبر ہو مجھ سے
نہ ہو شوق اگر وفا کا تو میں خوش ہوں تو جفا کر
مرا یار مہ جبیں ہے خوش ادا ہے نازنین ہے
مگر اس کا کم یقین ہے کہ جیوں گا اس کو پا کر
کرو شوق سے محبت مگر ایک بات سن لو
کسی اور کام کے پھر نہ رہو گے دل لگا کر
نظر آیا چاند پھیکا تو جھپک گئے ستارے
شب ماہ بھی نہ چمکی جو تو نکلا جگمگا کر

☆☆﴿۶۵﴾☆☆

موقوف کچھ نہیں ہے فقط مے پرست پر
زاہد کو بھی ہے وجد تری چشم مست پر

عزت ملی ہے شرکت کونسل کی شیخ کو
غازہ ملا گیا ہے رُخ فاقہ مست پر

رندانِ پختہ کار کو موسم کی قید کیا
موقوف مے کشی نہیں ماہ اگست پر

بلبل کی شاخ گل کی نمو پر نگاہ ہو
میری نظر ہے تاک ہی کے داربست پر

پھیکا ہے رنگ مے ترے عارض کے سامنے
مستی ہے خود نثار ترے حُسن مست پر

منظور مدح حسن ہے ہو یا نہ ہو کمر
موقوف شاعری نہیں اس نیست ہست پر

بند نقاب باندھتے ہیں مجھ کو دیکھ کر
اہل نظر کا صاد ہے اس بندوبست پر

چل پھرنے ان کی آنکھوں کو مجھ کو لبھا لیا
کیوں کر نہ پیار آئے غزلوں کو جست پر

اس باوفا کو حشر کا دن ہوگا روز وصل
قائم رہا جو دہر میں عہد الست پر

ہے نشۂ غرور میں زاہد خراب تر

پھر کیا میں اعتراض کروں مئے پرست پر
اکثر مرے عزیز نئی روشنی میں ہیں
رحمت خدا کی چاہوں گا اب مے پرست پر
بجلی کو ہاتھ آ گیا تیری ہنسی کا طرز
غنچوں کو رشک کیوں نہ ہو اس تیز دست پر
گو حافظے کو یاد نہ ہو قصہ ازل
ہم تو جمے ہوئے ہیں قرار الست پر
کرسی نہیں ہے عرش تو پھر کیا یہ فخر و ناز
کیوں معترض ہو فرش زمین کی نشست پر

☆☆﴿۷۵﴾☆☆

نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر
بس اصل کار دیں تو صرف تسبیح و قناعت ہے
عوام الناس باہم جنگ کرتے ہیں زواید پر

☆☆﴿۷٦﴾☆☆

جس نے ابھار خلق کو طاعت کردگار پر
نقش اسی کا رہ گیا صفحۂ روز گار پر
شاہ و وزیر کے تو نام دب گئے ہسٹری کے ساتھ
سکہ نام انبیاء اب بھی ہے ہر دیار پر

☆☆﴿۷۷﴾☆☆

بہت ہی کم پائے اپنے عارف کمال باری نے ہم میں آ کر
مہرے سے بگڑا ہے سچ جو پوچھو عرب کا مذہب عجم میں آ کر
اثر یہ تھا عیسوی نفس کا کہ زندہ ہوتا تھا جسم بے جاں
یہاں تو ہم مر رہے ہیں لیکن بتانِ ترسا کے دم میں آ کر
جو ضعف پوشیدہ دین میں تھا عیاں ہوا وہ ترے عمل سے
زبان واعظ میں تھی جو طاقت چھپی وہ میرے قلم میں آ کر
جو شوقِ مستی ہو دِل کے اندر تو آپ سنیئے کلامِ اکبر
اگر ہو ذوق شراب و ساغر تو پیجیئے بزمِ جسم میں آ کر

☆☆﴿۷۸﴾☆☆

مغوی تو ملیں گے تمہیں شیطان سے بہتر
ہادی نہ ملے گا کوئی قرآن سے بہتر
ذی علم مصنف ہو رہے حامی ملت
ارمان نہیں کوئی اس ارمان سے بہتر
انسان اگر معرفت حق سے ہو غافل
کیا شک کہ بہائم ہیں اس انسان سے بہتر
مخلوق الٰہی میں عمل پر جو نظر کر
انسان سے بدتر ہے نہ انسان سے بہتر
ہر حال میں دل کے لیے حافظ و ناصر
دولت کوئی ممکن نہیں ایمان سے بہتر

یہ ہے ہ جھکاتا ہے مخالف کی بھی گردن
سن لو کہ کوئی شے نہیں احسان سے بہتر
سُن لے جو توجہ سے بزرگوں کی نصیحت
پھر کان جواہر نہیں اس کان سے بہتر

☆☆﴿۷۹﴾☆☆

خدا نے عقل کی نعمت عطا کی مہربان ہو کر
ادائے شکر کرو دیوانہ حسن بتاں ہو کر
کھلیں وہ سُرمگیں آنکھیں شب وصلت زباں ہو کر
محبت کی نظر نے دی اجازت مجھ کو ہاں ہوکر
کمال اس دام گیسو میں تھا یا کچھ نقص تھا دل میں
پھنسا آخر یہ کیونکر طائر عرش آشیاں ہو کر
عطا کر قسمت تصنیف سعدی یا رب اس گل کو
پھلے پھولے زمانہ میں گلستاں بوستاں ہو کر
عطا کر قسمت تصنیف سعدی یا رب اس گل کو
پھلے پھولے زمانہ میں گلستان بوستاں ہو کر
ترا قد دیکھ کر اے گل میں تجھ کو سرو سمجھا تھا
مگر تو سرو سے بھی بڑھ گیا آخر رواں ہو کر
مجھی سے سب یہ کہتے ہیں کہ نیچی رکھ نظر اپنی
کوئی ان سے نہیں کہتا نہ نکلو یوں عیاں ہو کر
جھکایا ہے جبیں کو آستانِ یار پر میں نے

سعادت ہے اگر رہ جائے سنگِ آستاں ہو کر
کمال ان کی عنایت ہے نہایت مہربانی ہے
کہیں محلے میں اُنہیں جانا یہاں ہو کر
اگر اللہ دیتا قوتِ گفتار شمعوں کو
تو دادِ ہمت پروانہ دیتیں یک زبان ہو کر
ہوائے نفس سے ہو کر الگ الفت میں مرجانا
وہ حالت ہے کہ رہ جاتی ہے زندہ داستاں ہو کر
مجالِ گفتگو کس کو ہے اُن کے حسن کے آگے
زبانیں بند کر دیں ان بتوں نے بے زباں ہو کر
قریب ختم تھی مجلس کہ آنکلے اِدھر وہ بھی
غرض واعظ کی محنت رہ گئی سب رائیگاں ہو کر
یہ ارشاد آپ کا بالکل بجا ہے حضرت واعظ
مگر میں کیا کہوں کچھ بن نہیں پڑتی جواں ہو کر
نگاہیں مل گئیں تھیں میری ان کی رات محفل میں
یہ دنیا ہے بس اتنی بات پھیلی داستاں ہو کر
بہت مشکل ہوا ہے ختم کرنا مجھ کو نامے کا
وفورِ شوق ہے رُکتا نہیں خامہ رواں ہو کر
پھری قسمت ہوا کی آپ کی زلفوں کے صدقے میں
پریشاں ہو کے اٹھی تھی چلی عنبر فشاں ہو کر

بنو گے خسرو اقلیم دل شیریں زباں ہو کر
جہانگیری کرے گی یہ ادا نور جہاں ہو کر

دلوں کا قرب حاصل کیجئے راحت رساں ہو کر
نفس نے سینہ میں جاپائی ہے آرام جاں ہو کر

غریبوں سے لپٹ جاتی ہے دنیا فکر ناں ہو کر
امیروں کے مقابل ہوتی ہے حسن بتاں ہو کر

پئے ضبط محبت عقل مذہب میں ہوئی داخل
بنی وجہ عناد آخر نصیب دشمناں ہو کر

مجال گفتگو کس کو فنا کو جب پیام آیا
ہوئی خاموش آخر شمع بھی آتش زباں ہو کر

کسی نے خوب فرمایا اک اسلامی کمیٹی میں
نمازی ہیں ندارد رہ گئی خالی اذاں ہو کر

کرم تھا دوستوں پر علم ایام گذشتہ میں
ستم ہے اس زمانہ میں نصیب دشمناں ہو کر

جو دانش مند ہیں وہ یوں دعا دیتے ہیں لڑکوں کو
نہ ہو مکار پیری میں نہ ہو عاشق جواں ہو کر

جوانی کی دعا لڑکوں کو ناحق لوگ دیتے ہیں
یہی لڑکے مٹاتے ہیں جوانی کو جواں ہو کر

پھنسایا جھوٹی باتوں سے مجھے دنیا نے غفلت میں

سلایا مجھ کو اس مکار نے افسانہ خواں ہو کر

تمہیں واج و تعلیٰ کا مزہ مجھ کو تواضع کا

یہاں تو خاکساری ہے، رہو تم آسماں ہو کر

بدی طینت کی چھپ سکتی نہیں شیریں زبانی سے

دِل اچھا ہو تو نبھ جاتی ہے شاید بد زبان ہو کر

زمین کی طرح جس نے عاجزی و خاکساری کی

خدا کی رحمتوں نے اس کو ڈھانکا آسمان ہو کر

ضعیفی زور پر آئی ہوئے بے دست و پا اکبر

کیا بچوں سے بدتر ہم کو پیری نے جواں ہو کر

☆☆﴿۸۱﴾☆☆

روشِ ہو راست آزادانہ ساتھ اس کے تواضع بھی

چلو تم مثلِ تیر اکبر جھکو لیکن کماں ہو کر

☆☆﴿۸۲﴾☆☆

خیال عزت مجنوں نہ چھوڑ اے دامنِ مجنوں

نہیں ہے ہوش اُس کو خود تُو اڑ جا دھجیاں ہو کر

نگین بے بہا تھا دل، ضرورت تھی حفاظت کی

ترِا نقش تصور اس میں بیٹھا پاسباں ہو کر

مری زردی رخ کا ذکر ہے لب ہائے جاناں پر

مزہ دیکھو کہ حلوے میں پڑا ہوں زعفراں ہو کر

بلندی مراتب سے تلون ہوگیا پیدا

بدلتے ہیں ہزاروں رنگ اب وہ آسماں ہو کر
اسی سے آشکار ہے بلندی تیرے ایواں کی
پڑا ہے آسماں بھی تیرے در پر آستاں ہو کر
میں پچھتایا تلاش پیر کی دے کر صلاح ان
ہوئے وہ اور بھی ظالم مرید آسماں ہو کر
بہار آئی کھلے گل زیب صحن بوستاں ہو کر
عنادل نے مچائی دھوم سرگرم فغاں ہو کر
بچھا فرشِ زمرد اہتمام سبزہ تر میں
چلی مستانہ وش باد صبا عنبر فشاں ہو کر
عروج نشہ نشوونما سے ڈالیاں جھومیں
ترانے گائے مرغان چمن نے شادماں ہو کر
بلائیں شاخ گل کی لیں نسیم صبح گاہی نے
ہوئیں کلیاں شگفتہ روئے رنگین بتاں ہو کر
جواناں چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا
کسی نے یاسمن ہو کر کسی نے ارغواں ہو کر
کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحن گلستان میں
صدائے نغمہ بلبل اٹھی بانگ اذاں ہو کر
ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو
ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہو کر
زبانِ برگ گل نے کی دعا رنگیں عبارت میں
خدا سر سبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہو کر

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانہ کی
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

☆☆﴿۸۳﴾☆☆

بہار آئی ہے اک آئینہ معنی نشاں ہو کر
چمن میں بوئے گل پھیلی ہے تیری داستاں ہو کر

خموشی میں جمال شاہد معنی نظر آیا
عبث الجھے رہے لفظوں میں ہم محو بیاں ہو کر

قیامت کیا ہے خلقت کو نہ صبر آنا جدائی پر
یہ فطرت خود بنے گی صور سرگرم فغاں ہو کر

جو راہ معرفت میں کارواں دل قدم رکھے
تو ساری کائنات اڑ جائے گرد کارواں ہو کر

کیا اچھا جنہوں نے دار پر منصور کو کھینچا
کہ خود منصور کو مشکل تھا جینا راز داں ہو کر

تری فرقت میں ساری عمر جو تکلیف اٹھاتے ہیں
اجل اے جاں انہیں کو آتی ہے آرام جاں ہو کر

اشارہ زاہدان خشک سے ہے دختر رز کا
ولی بنئے مرید حضرت پیر مغاں ہو کر

عجب کیا ہے جو دونوں دن میں بے ہوشی کے دنیا میں
چلے جب ہو کے رخصت آئے جس دن میہماں ہو کر

الگ رکھتی ہے فطرت ہوش کو ایسے مواقع پر

کہ تا افشا نہ کر دے راز ہستی راز داں ہو کر
نمایاں ہیں ترے دامن کی بیلیں کہکشاں ہو کر
اس اطلس کی زمیں اے ماہ چمکی آسماں ہو کر
ہوا زرد الفت گلرو میں زار و ناتواں ہو کر
مرے باغِ جوانی میں بہار آئی خزاں ہو کر
مری نسبت یہ فرماتے ہیں واعظ بدگماں ہو کر
قیامت ڈھائے گا جنت میں یہ بوڑھا جواں ہو کر
بہار عمر جب آخر ہوئی واپس نہیں آتی
درخت اچھے کہ پھلتے ہیں نئے سر سے جواں ہو کر
زبانیں دیکھتی ہیں آفت تقریر کو چپ ہیں
نگاہیں داستانیں کہہ رہی ہیں بے زباں ہو کر
ابھارا اس قدر اس عہد میں روشن خیالوں نے
کہ چل نکلی زمیں قائم مقام آسماں ہو کر
بنی آدم میں اتنے مہر طلعت ہوگئے پیدا
کہ چل نکلی زمیں قائم آسمان ہو کر
دکھا کر ابرو ومژگان نظر ان کی کہتی ہے
کسی سے کیوں جھکیں ہم صاحب تیغ و سناں ہو کر
دبٹھا رکھا ہے اس نامہرباں نے منتظر کرکے
خدا سے ہے مجھے امید اٹھالے مہرباں ہو کر
لطیف الطبع تیز و تند رنگین و نشاط افزا
تمہیں سی ہوگئی ہے دخترِ رز بھی جواں ہو کر

☆☆﴿۸۴﴾☆☆

کیا افسردہ نافہموں نے مجھ کو ہمنشیں ہو کر
طبیعت رک گئی افسوس معنی آفریں ہو کر
ہجوم یاس نے مطلق جگہ باقی نہیں رکھی
تمنا پھر گئی آخر در دل سے حزیں ہو کر

☆☆﴿۸۵﴾☆☆

ہر لحظہ دیکھتا ہوں زمانہ کی شان اور
گویا زبان اور ہے اور آسماں اور
دِل اس بت فرنگ سے ملنے کی شکل کیا
میرا طریق اور ہے اس کی ہے شان اور
کیوں کر زباں ملانے کی حسرت بیاں کروں
اس کی زبان اور ہے میری زبان اور

☆☆﴿۸۶﴾☆☆

میل نظر ہے زلفِ مس کجکلاہ پر
سونا چڑھا رہا ہوں میں تارنگاہ پر
اچھا ہوا مقابلہ برق حسن و عشق
اُن کو ہنسی آگئی عاشق کی آہ پر

☆☆﴿۸۷﴾☆☆

یا شہید جلوہَ ہو یا مے خانہ چھوڑ
ہوش کی پروانہ کر یا شیشہ و پیمانہ چھوڑ

دین نبھنے کا نہیں ان صورتوں کے سامنے
یا پہن زنار اکبر یادِ بت خانہ چھوڑ

☆☆﴿۸۸﴾☆☆

جب مانتے ہو تم کہ خدا بھی ہے کوئی چیز
پھر کیوں نہیں کہتے کہ دعا بھی ہے کوئی چیز
واعظ نے کہا خوف خدا بھی ہے کوئی چیز
اس بت نے کہا میری ادا بھی ہے کوئی چیز
کہتا ہے معالج کہ دوا کا بس اثر دیکھ
فریادِ زباں ہے کہ مزہ بھی ہے کوئی چیز
پنہاں میں خموشی و تصور میں کمالات
لیکن اثر لفظ و صدا بھی ہے کوئی چیز
کھلتے ہوئے عقدے نظر آتے ہیں ہزاروں
معلوم ہوا عقدہ کشا بھی ہے کوئی چیز
بے ساختہ آتی ہے مصیبت میں یہ لب پر
فطرت ہی کی جانب سے دعا بھی ہے کوئی چیز
معنی کو ضرورت نہیں الفاظ کی اکبر
سب جانتے ہیں حسن صدا بھی ہے کوئی چیز

☆☆﴿۹۰﴾☆☆

طبع کرتی ہے ترے عشق کی تائید ہنوز
ان جفاؤں پہ بھی ٹوٹی نہیں امید ہنوز

قصہ شوق کو چھیڑا ہے ازل سے دل نے
خاتمے پر مگر آئی نہیں تمہید ہنوز

نہ خوشی ہوتی ہے دِل کو نہ طبیعت کو ابھار
پھر بھی سالانہ کئے جاتے ہیں ہم عید ہنوز

اور کچھ اس کے سوا کر نہیں سکتے ناصح
بس چلی جاتی ہے تعلیم کی تاکید ہنوز

کس قدر حار تھے سید کے وہ اجزائے رفارم
علماء دے رہے ہیں قوم کو تبرید ہنوز

دِل تو مدت سے ہے خاک درِ دیر اے اکبر
ہاں زباں پر ہے مگر کفر کی تردِید ہنوز

☆☆﴿۹۱﴾☆☆

غم جاناں سے میں کرنے کا نہیں جانِ عزیز
ہے سوا جان سے بھی مجھ کو یہ مہمان عزیز

☆☆﴿۹۲﴾☆☆

نگاہ اس بتِ بے دین کی ہے شراب فروش
عجب نہیں مجھے مستی کرے شباب فروش

کہا جو اس نے کہ اب میں پھروں گا بے پردہ
منہ اس کا دیکھ کے بس رہ گئے نقاب فروش

☆☆﴿۹۳﴾☆☆

اہل مذہب میں زیادہ تر ہے بس لفظی نزاع
ایک ہی مالک جہاں کا ہے تو پھر کیسی نزاع
ایک ہے پریوں کا قائل ایک کو انکار ہے
سب نزاعوں میں جو ہے تو بس یہی اچھی نزاع
علم اگر ہوتا زیادہ اور ہوتی حرص کم
صلح رہتی بیشتر لوگوں میں کم ہوتی نزاع

☆☆﴿۹۴﴾☆☆

شیخ مائل ہوئے ہیں ساغر و مینا کی طرف
برکتیں نشہ کی لائیں گی کلیسا کی طرف
میں پھنسانے لگا کیوں دام بلا میں دل کو
خود کھنچا جاتا ہے اس زلف چلیپا کی طرف
دوستوں نے انہیں حضرت کو خضر سمجھا ہے
ان کی چالیں تو لئے جاتی ہیں اعدا کی طرف
جوش گر یہ ہے یہ کیوں موسم پیری میں مجھے
لوگ جاڑوں میں تو کم جاتے ہیں دریا کی طرف

☆☆﴿۹۵﴾☆☆

گنتی میں زیادہ نہیں ہے قول مرا ایک
بے خوف میں کہتا ہوں اسے یعنی خدا ایک
تثلیث کے قائل نے بھی خالق کو کہا ایک

تھی تین پہ سوئی مری ہیبت سے بجا ایک
کہتے ہو مسلمان ہیں اللہ کے طالب
دس پانچ نہیں مجھ کو دکھا دو تو بھلا ایک
اللہ کی جانب متوجہ رہیں احباب
صف ہوگی شکستہ جو کہیں رخ نہ رہا ایک
یا رب رہے جمعیت مسلم یونہی قائم
رُخ ایک رسول ایک کتاب ایک خدا ایک

☆☆﴿۹۶﴾☆☆

پہنچی نگاہ عقل دُور دُور تک
لیکن نہ جاسکی کبھی اوج تک
جام مئے الست سے ایسی تھی بے خودی
ہستی کا اپنی حس نہ ہوا نفخ صورتک

☆☆﴿۹۷﴾☆☆

کھنچی ہے ہم پہ اس سفاک تیغ ستم اب تک
یہ کیا سچ ہے کہ ان زخموں پہ بھی زندہ ہیں ہم اب تک

☆☆﴿۹۸﴾☆☆

ملت کو جو دیکھو تو نہیں حامی دیں ایک
قوت کو جو پوچھو کہیں دو دل بھی نہیں ایک
دل تم نے لیا دین لیا مال نہ چھوڑا
باقی ہے مرے پاس فقط جان حزیں ایک

ہر ایک کو دو تم نے کیا تیغ ستم سے
اب رہ گئے ہو عرصہ ہستی میں تمہیں ایک

☆☆﴿۹۹﴾☆☆

کیا جانئے سید تھے حق آگاہ کہاں تک
سمجھے نہ کہ سیدھی ہے مری راہ کہاں تک
منطق بھی تو اک چیز ہے اے قبلہ و کعبہ
دے سکتی ہے کام آپ کی واللہ کہاں تک
افلاک تو اس عہد میں ثابت ہوئے معدوم
اب کیا کہوں جاتی ہے مری آہ کہاں تک
کچھ صنعت و حرفت پہ بھی لازم ہے توجہ
آخر یہ گورنمنٹ سے تنخواہ کہاں تک
مرنا بھی ضروری ہے خدا بھی ہے کوئی چیز
اے حرص کے بندو! ہوس جاہ کہاں تک
تحسین کے لائق ترا ہر شعر ہے اکبر
احباب کریں بزم میں اب واہ کہاں تک

☆☆﴿۱۰۰﴾☆☆

مِل گیا شرع سے شراب کا رنگ
خوب بدلا غرض جناب کا رنگ
چل دے شیخ صبح سے پہلے
اُڑ چلا تھا ذرا خضاب کا رنگ

پائی ہے تم نے چاند سی صورت
آسمانی رہے نقاب کا رنگ

صبح کو آپ ہیں گلاب کا پھول
دوپہر کو ہے آفتاب کا رنگ

لاکھ جانیں نثار ہیں اس پر
دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ

ٹکٹکی بندھ گئی ہے بوڑھوں کی
دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ

جوش آتا ہے ہوش آتا ہے
دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ

رند عالی مقام ہے اکبر
بُو ہے تقویٰ کی اور شراب کا رنگ

☆☆ ۱۰۱ ☆☆

عزیزانِ وطن سوچیں سول سروس سے کیا حاصل
یگانوں میں رہو بیگانہ ہو کر اس سے کیا حاصل

نہ سحر چشمِ جاناں ہے نہ لطف غمزۂ ساقیِ
تو پھر صحتِ چمن میں دیدۂ نرگس سے کیا حاصل

نہ ہو ادراک خالق کا نہ ابھرے شوق طاعت کا
تو ایسے ذہن سے اکبر ارو ایسے حس سے کیا حاصل

☆☆﴿۱۰۲﴾☆☆

گو چکا چوند کا عالم ہے نئی روشنی میں
ہے مگر پیشِ نظر عرش کا تارا اسلام
رغبت کفر سے اللہ بچائے سب کو
نور افگن رہے ہر سینہ میں پیارا اسلام
ان کی خواہش مری نسبت ہو جو کچھ وہ جانیں
میں تو کرتا ہوں دعا لائیں نصارا اسلام
ان کے مضبوط جہازوں کی مددگار ہے آگ
مِری ٹوٹی ہوئی کشتی کا سہارا اسلام
خوف حق الفت احمد ﷺ کو نہ چھوڑ اے اکبر
منحصر ہے انہیں دو لفظوں پہ سارا اسلام

☆☆﴿۱۰۳﴾☆☆

قرار نہیں ذرا بھی مجھے یہ کیسی حیا کہو تو صنم
اٹھو بھی بس اب کرو نہ غضب گذر گئی شب خدا کی قسم
فراق کی شب نہ ہوگی سحر اجل سے کہو کہ آئے اِدھر
عذاب میں ہوں نجات ملے کہاں تلک اب سہوں میں ستم
خوشی بھی ہوئی الم بھی ہوا مزے بھی ملے ستم بھی سہے
نِکل چکی دل کی ساری ہوس نظر میں اب سواد عدم

ہوئے ہیں مست مئے عاشقی کے جام سے ہم
خوشا نصیب چھٹے عاقلی کے دام سے ہم
نہیں کوئی شب تار فراق میں دِل سوز
خموش شمع ہے خود جل رہے ہیں شام سے ہم
زمانہ جس کو مٹائے بھلائے خلق جسے
عبث ہے خوش ہوں جو ایسے نشان و نام سے ہم
خوشی بہت ہے جہاں میں ہمارے گھر نہ سہی
ملول کیوں رہیں دنیا کے انتظام سے ہم
خوشامدی کو مبارک ہو رات دِن چکر
یہاں تو رکھتے ہیں بس کام اپنے کام سے ہم
اخیر عمر میں آیا ہمیں خیال مآل
بہت دنوں میں ہوئے واقف اپنے کام سے ہم
گناہ کیا جو کہیں ہم بھی السلام علیک
کہ لطف اٹھاتے ہیں اس بت کی رام رام سے ہم
ہمیں ہے یاد وہ عہد الست اے غافل
بہل سکیں گے نہ دنیا کی دھوم دھام سے ہم
چلا ہے فلسفہ لے کر ہمیں سوئے ظلمات
بہت ہی تنگ ہیں اس اسپ بے لگام سے ہم
خیالِ یار میں الجھا ہوا ہے تار نفس

کبھی نہ ہوں گے رہا عاشق کے دام سے ہم
جبیں کے عشق سے آخر بچی نہ جان اپنی
تمام ہوگئے اس ماہ ناتمام سے ہم
اگر وہ کہتے ہیں املی تو ہم کہیں گے یہی
ضرور کیا ہے کریں بحث جا کے آم سے ہم
ملا نہ امن شبستان دہر میں دم بھر
چراغ صبح رہے اس جہاں میں شام سے ہم
اب اور چاہیے نیٹو کے واسطے کیا بات
یہی بہت ہے مشرف ہوئے سلام سے ہم
نگاہ پیر مغاں کہتی ہے غریبوں سے
رہ سلوک میں واقف ہیں ہر مقام سے ہم
فلک کے دور میں ہارے ہیں بازی اقبال
اگرچہ شاہ تھے بدتر ہیں اب غلام سے ہم
ہماری کوہ نور دی نہیں ہے بے معنی
کہ انس رکھتے ہیں اک کبک خوشخرام سے ہم
ہمیں خراب کرے گا خیال ابروئے یار
مصر نہ پائیں گے اس تیغ بے نیام سے ہم
سنا ہے حلت بادہ کا ہوگیا فتویٰ
خدا نے فضل کیا بچ گئے حرام سے ہم
لئے ہے اتھ میں نامہ کھڑا ہے چپ قاصد
پتہ ہے گھر کا نہ واقف ہیں ان کے نام سے ہم

اشارہ کرتی ہے ساقی کی چشم مست اکبر
کہ دو جہاں کو بھلاتے ہیں ایک جام سے ہم
چھڑی اٹھائی خموشی سے چل دیئے اکبر
سفر میں رکھتے نہیں کام ٹیم ٹام سے ہم

☆☆﴿۱۰۵﴾☆☆

دِل مایوس میں وہ شورشیں برپا نہیں ہوتیں
امیدیں اس قدر ٹوٹیں کہ اب پیدا نہیں ہوتیں
مِری بیتابیاں بھی جزو ہیں اک میری ہستی کی
یہ ظاہر ہے کہ موجیں خارج از دریا نہیں ہوتیں
وہی پریاں اب بھی راجہ اندر کے اکھاڑے میں
مگر شہزادۂ گلفام پر شیدا نہیں ہوتیں
یہاں کی عورتوں کو علم کی پروا نہیں بے شک
مگر یہ شوہروں سے اپنے بے پروا نہیں ہوتیں
تعلق دل کا کیا باقی میں رکھوں بزم دنیا سے
وہ دلکش صورتیں اب انجمن آرا نہیں ہوتیں
ہوا ہوں اس قدر افسردہ رنگِ باغ ہستی سے
ہوائیں فصل گل کی بھی نشاط افزا نہیں ہوتیں
قضا کے سامنے بیکار ہوتے ہیں حواس اکبر
کھلی ہوتی ہیں گو آنکھیں مگر بینا نہیں ہوتیں

سانس لیتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں
یہ نہ سمجھیں کہ آہ کرتا ہوں
ان کا گھر چھوڑ کر کہاں جاؤں
دِل ہی کے ساتھ میں ٹھہرتا ہوں
ہوں اسیر طلسم سحر فنا
نقش بر آب ہی میں مرتا ہوں
بحر ہستی میں ہوں مثال حباب
مٹ ہی جاتا ہوں جب ابھرتا ہوں
اتنی آزادی بھی غنیمت ہے
سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں
شیخ صاحب خدا سے ڈرتے ہوں
میں تو انگریزوں ہی سے ڈرتا ہوں
لن ترانی نہیں ہے مانع عشق
میں ترے نام ہی پہ مرتا ہوں
آپ کیا پوچھتے ہیں میرا مزاج
شکر اللہ کا ہے مرتا ہوں
یہ بڑا عیب مجھ میں ہے اکبر
دِل میں جو آئے کہہ گذرتا ہوں

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

معرفت خالق کی عالم میں بہت دشوار ہے
شہرِ تن میں جب کہ خود اپنا پتہ ملتا نہیں

غافلوں کے لطف کو کافی ہے دنیاوی خوشی
عاقلوں کو بے غمِ عقبیٰ مزا ملتا نہیں

کشتیِ دل کی الٰہی بحرِ ہستی میں ہو خیر
ناخدا ملتے ہیں لیکن باخدا ملتا نہیں

غافلوں کو کیا سناؤں داستانِ عشقِ یار
سونے والے ملتے ہیں درد آشنا ملتا نہیں

زندگانی کا مزہ ملتا تھا جن کی بزم میں
ان کی قبروں کا بھی اب مجھ کو پتا ملتا نہیں

صرف ظاہر ہوگیا سرمایۂ زیب وصفا
کیا تعجب ہے جو باطن باصفا ملتا نہیں

پختہ طبعوں پر حوادث کا نہیں ہوتا اثر
کوہساروں میں نشانِ نقشِ پا ملتا نہیں

شیخ صاحب برہمن سے لاکھ برتیں دوستی
بے بھجن گائے تو مندر سے ٹکا ملتا نہیں

☆☆﴿۱۰۸﴾☆☆

جس پہ دل آیا ہے وہ شیریں ادا ملتا نہیں
زندگی ہے تلخ جینے کا مزا ملتا نہیں

لوگ کہتے ہیں کہ بدنامی سے بچنا چاہیے
کہہ دو بے اس کے جوانی کا مزا ملتا نہیں

اہلِ ظاہر جس قدر چاہیں کریں بحث و جدال
میں یہ سمجھا ہوں خود میں تو خدا ملتا نہیں

چل بسے وہ دن کہ یاروں سے بھری تھی انجمن
ہائے افسوس آج صورت آشنا ملتا نہیں

منزلِ عشق و توکل منزل اعزاز ہے
شاہ سب بستے ہیں یاں کوئی گدا ملتا نہیں

بار تکلیفوں کا مجھ پر بار احساں سے ہے سہل
شکر کی جا ہے اگر حاجت روا ملتا نہیں

چاندنی راتیں بہار اپنی دکھاتی ہیں تو کیا
بے ترے مجھ کو تو لطف اے مہ لقا ملتا نہیں

معنی دل کا کرے اظہار اکبر کس طرح
لفظ موزوں بہر کشف مدعا ملتا نہیں

☆☆﴿۱۰۹﴾☆☆

کس قدر بے فیض ان روزوں ہوائے دہر ہے
بوئے گل کو دامنِ بادِ صبا ملتا نہیں

فیض باطن سے مدد لے عشق کا ہو جا مرید
اہلِ ظاہر کے ملائے تو خدا ملتا نہیں

ڈھونڈھتے ہیں لوگ اس دنیا میں اطمینانِ دل
کچھ بھی لیکن داغ حسرت کے سوا ملتا نہیں

نیشنل وقعت کے گم ہونے کا ہے اکبر کو غم
آفیشل عزت کا اس کو کچھ مزا ملتا نہیں

دِل کی ہمدردی سے کچھ تسکین ہوتی تھی مگر
اب تو اس مظلوم کا بھی کچھ پتا ملتا نہیں

بیکسی میری نہ پوچھ اے جادۂ راہِ طلب
کارواں کیسا کہ کوئی نقشِ پا ملتا نہیں

اس کو ارباب طریقت میں کروں میں کیا شمار
آپ کی زلفوں سے جس کا سلسلہ ملتا نہیں

جب کہا میں نے مرا دل مجھ کو واپس کیجئے
نازو شوخی سے وہ بولے کھو گیا ملتا نہیں

جب کہیں ملتا ہے کرتا ہے نہ ملنے کا گلہ
اور جو ملنے جاتا ہوں مرد خدا ملتا نہیں

یوں کہو مل آؤں ان سے لیکن اکبر سچ یہ ہے
دِل نہیں ملتا تو ملنے کا مزا ملتا نہیں

☆☆ ۱۱۰ ☆☆

پھر اور کون ہوگا جو آئے ہمارے کام
ہوگے شریک حال ہمارے نہ جب تمہیں
دنیا کے انتظام پہ اکبر نہ ہو ملول
انصاف یہ نہیں ہے کہ پا جاؤ سب تمہیں

☆☆ ۱۱۱ ☆☆

یہ فقط نہیں ہے کافی کہ مرا مزاج پوچھیں
مرے درد دِل کو سمجھیں مری احتیاج پوچھیں
تھا زمانہ کل موافق مجھے پوچھتا تھا ہر اک
میں تو ان کو دوست سمجھوں کہ جو مجھ کو آج پوچھیں
جنہیں تیری لو لگی ہے وہ جہاں سے بے خبر ہیں
نہ وہ مال و جاہ ڈھونڈیں نہ وہ تخت و تاج پوچھیں
جو مرض ہے ہم کو لاحق وہی شرطِ زندگی ہے
جو نہ چاہیں اپنا جینا تو کوئی علاج پوچھیں
تو خود ان کو لکھ عریضہ نہ کر انتظار اکبر
انہیں کیا غرض ہے ایسی کہ ترا مزاج پوچھیں

☆☆ ۱۱۲ ☆☆

موسم گل میں صبا کو جو ہوئی ناچ کی دھن
لحن بلبل سے بھی پیدا ہوئی کھماج کی دھن
یہ کلاک اچھے سروں میں تو بجا کرتی ہے

مفت پیدا ہوئی ہے آپ کو کیوں واچ کی دھن
نغمہ سنجی سے بھی آتی تھی خواتین کو شرم
ساز مغرب سے مگر ہوگئی اب ناچ کی دھن

☆☆﴿۱۱۳﴾☆☆

کبھی دل کی ترنگ کا رنگ یہ ہے کہ میں سارے جہان کو پیار کروں
کبھی طبع میں موج سماتی ہے یہ کہ خود اپنی خودی سے بھی عار کروں
مجھے پیاری اگرچہ ہے جان حزیں مگر ان سے سوا یہ عزیز نہیں
وہ گھڑی بھی تو آئے کہ پاؤں انہیں اور انہیں پہ میں اس کو نثار کروں
کبھی غنچہ ہے یہ کبھی شعلہ ہے یہ کبھی آئینہ ہے کبھی قطرہ خون
یہ ہے صفحہ دہر پہ دل کا جو رنگ اسے کون سی مد میں شمار کروں

☆☆﴿۱۱۴﴾☆☆

فتنہ نہیں فساد نہیں شورو شر نہیں
یا زن نہیں زمین نہیں اور زر نہیں
مانا کہ ہر طرح سے میں بے اختیار ہوں
پر یہ بتاؤ تم کو خدا کا بھی ڈر نہیں

☆☆﴿۱۱۵﴾☆☆

دل زیست سے بیزار ہے معلوم نہیں کیوں
سینے میں نفس بار ہے معلوم نہیں کیوں
اقرار وفا یار نے ہر اک سے کیا ہے
مجھ سے ہی بس انکار ہے معلوم نہیں کیوں

ہنگامہ محشر کا تو مقصود ہے معلوم

دہلی میں یہ دربار ہے معلوم نہیں کیوں

جس سے دل رنجور کو پہنچی اذیت

پھر اس کا طلب گار ہے معلوم نہیں کیوں

اے دل ترا نظارہ دل آویز ہے لیکن

پہلو میں ترے خار ہے معلوم نہیں کیوں

افلاس میں مستی تو مجھے خوش نہیں آتی

ساقی کو یہ اصرار ہے معلوم نہیں کیوں

انداز تو عشاق کے پائے نہیں جاتے

اکبر جگر افکار ہے معلوم نہیں کیوں

جینے پہ تو جاں اہلِ جہاں دیتے ہیں اکبر

پھر یہ تجھے دشوار ہے معلوم نہیں کیوں

☆☆﴿۱۱۶﴾☆☆

بھولے پن سے پوچھتے ہیں تیری خاطر کیا کریں

اس محل پر راز دل ہم ان پہ ظاہر کیا کریں

ہیں کلکٹر نزع میں عملے کھڑے ہیں دم بخور

جب خدا ہی ہوگیا حاضر تو ناظر کیا کریں

اُن کی آنکھوں کی خطا کیا ہیں ہم الفت میں مست

آپ ہم ایمان چھوڑیں تو یہ کافر کیا کریں

منتیں کیں ہاتھ جوڑے سر قدم پر رکھ دیا

پھر بھی ہے تیوری چڑھی ہم پر اب آخر کیا کریں

☆☆﴿۱۱۷﴾☆☆

بحثیں فضول تھیں یہ کھلا حال دیر میں
افسوس عمر کٹ گئی لفظوں کے پھیر مین

ہے ملک اِدھر تو قحط زدہ اس طرف یہ وعظ
کشتے وہ کھا کے پیٹ بھرے پان سیر میں

ہیں غش میں شیخ دیکھ کے حسن مس فرنگ
بچ بھی گئے تو ہوش انہیں آئے گا دہر میں

چھوٹا اگر میں گردشِ تسبیح سے تو کیا
اب پڑ گیا ہوں آپ کی باتوں کے پھیر میں

☆☆﴿۱۱۸﴾☆☆

صبا نے دفترِ گل کے بہت ورق اُلٹے
مگر وہ بوئے معانی روئے یار کہاں

میں خاک میں بھی اگر مل گیا تو کیا امید
وہ آستانہ کہاں اور مرا غبار کہاں

خیال ایسا نہ فرمایئے مری نسبت
بھلا حضور کہاں اور یہ خاکسار کہاں!

☆☆﴿۱۱۹﴾☆☆

ہجر کی رات یوں ہوں میں حسرت قدر یار میں
جیسے لحد میں ہو کوئی حشر کے انتظار میں

دِل ہے ملو فرقتِ قامت و روئے یار میں
بھاڑ میں جائیں سرد و گل آگ بہار میں
سوز نہاں ہے فرقت شمع جمالِ یار میں
آگ سی ہے لگی ہوئی رشتہ جان زار میں
کیا میں خوشی سے ہوں، بسا کوچہ زلف یار میں
کوئی بلا میں کیوں پھنسے دل ہو جو اختیار میں
ہونے دے انقلاب چرخ کوہ الم کو لے اٹھا
وزن مگر سبک نہ دیدہ اعتبار میں
پایا ہوائے دہر کو دشمن انبساط دل
کھلتے ہیں کب گل مراد گلشن روزگار میں
کر دیا ایسا زار و خشک منزل عشق نے مجھے
خار چبھے گا مجھ میں کیا میں ہی چھپا ہوں خار میں میں
آئی نسیم باغ میں میرے یہاں نہ آئے تم
لالہ و گل بہت کھلے دل نہ کھلا بہار میں
مستی عشق کا مزا عہد شباب ہی میں ہے
بادہ کشی کا لطف اگر ہے تو فقط بہار میں
مہر کرم نے آپ کے ذرہ نوازیاں یہ کیں
بات تو ورنہ کچھ نہ تھی بندۂ خاکسار میں
تم تو بھلا کے وعدے کو شام سے پڑ کے سو رہے
جاگا کیا میں صبح تک حسرت و انتظار میں
سینے سے تیرے متصل شاید اسے قرار ہو

گوندھ لے میرے دل کو بھی اپنے گلے کے ہار میں
رنگ جہاں کے ساتھ کاش میری بھی ہو یونہیں بسر
جیسے گل و نسیم کی نبھ گئی چاہ پیار میں
وقعت ریش شیخ کو دیکھ کے یہ ہوا یقین
خرمن خس بھی شرط ہے گلشن اعتبار میں
کھلنے پہ آئی ہے کلی بلبلوں کو ہے بیکلی
حسن تو ہے ابھار پر عشق ہے انتظار میں
ذکر مرا ہے کو بکو پھیلی ہے بات چار سو
آتی ہے کچھ جنوں کی بو بیٹھا ہوں کوئے یار میں
سینے میں کیوں خلش ہے یہ جان میں کیوں تپش ہے یہ
عقل کی سرزنش ہے یہ دل کو رکھ اختیار میں
الفت زلف قہر ہے حق میں ہمارے زہر ہے
بحر بلا کی لہر ہے روح ہے انتشار میں
بھونرے ہیں مست بوئے گل تیتریاں ہیں سوئے گل
سب کو ہے جستجوئے گل موسم خوشگوار میں
سنبل تر پہ خوب ہے جلوۂ شبنم لطیف
زلف پری کے تار ہیں گوہر آب دار ہیں

☆☆ ﴿۱۲۰﴾ ☆☆

دورِ شراب لالہ فام کیوں نہ ہو لالہ زار میں
کچھ تو مزا ہو زیست کا کچھ تو کھلیں بہار میں

باد صبا کا ناچ ہو نغمہ سرا ہوں بلبلیں
شاخوں کی گود میں ہوں گل وہ ہوں مرے کنار میں

ہوا اثر سرور مے کیف میں ہو ہر ایک شے
دِل میں ہوز مزموں کی لے بول بجیں ستار میں

آنکھ کی ناتوانیاں حسن کی لن ترانیاں
پھر بھی ہیں جانفشانیاں کوچہ انتظار میں

عشق میں فع ہے ضرور اشک گریں تو ہے گہر
یاں تو ہیں پارہ جگر لعل کے اعتبار میں

عشق ہو کس طرح نہاں لب پہ ہے غم کی داستاں
کہتے ہیں اب نہیں زباں دل نہیں اختیار میں

☆☆﴿۱۲۱﴾☆☆

بے بہرہ ہیں نُور سے وہ آنکھیں جو تیرے لیے غمناک نہیں
سرمہ وہ بصرا فروز جس میں ترے در کی خاک نہیں

بیگانہ سرور سے ہے وہ دل جو تیرے لیے غمناک نہیں
سرمہ وہ بصر افروز نہیں جس میں تیرے در کی خاک نہیں

☆☆﴿۱۲۲﴾☆☆

اُس رخ پہ نظر کا شوق جو ہو آنکھوں کو تو اپنی اشک سے دھو
بے اس کے طہارت دل کی نہیں بے اس کے نگاہیں پاک نہیں

رشتہ تو بتوں سے الفت کا قائم ہی ہے دل میں قدرت سے
زنار پہننی باقی ہے اس میں بھی مجھے کچھ باک نہیں

ہے مستی عشق نصیب مجھے مشغول میں رہتا ہوں دل سے
حاجت نہیں مے کی میرے لیے انگوار کی مجھ کو تاک نہیں
صورت کی ہے ان میں جلوہ گری معنی سے ہے بالکل بیخبری
ہیں کام تو ان کے صاف بہت نیت کے مگر یہ پاک نہیں
پلٹیں یہ نگاہیں لاکھ طرح خود اپنی مشاہد ہو نہ سکیں
کیا اصل و حقیقت ہے میری ادراک کو یہ ادراک نہیں
ان مدعیوں کا طرزِ عمل اکبر یہ شہادت دیتا ہے
پڑھنے کو کتابیں پڑھ لی ہیں مجھے یہ مگر کچھ خاک نہیں

☆☆ (۱۲۳) ☆☆

مشرقی تو سر دشمن کو کچل دیتے ہیں
مغربی اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں
ناز کیا اس پہ جو بدلا ہے زمانے نے تمھیں
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں
حضرت ہوش ہیں گو دل کے وفادار رفیق
آپ کی یاد جو آتی ہے تو چل دیتے ہیں

☆☆ (۱۲۴) ☆☆

پیش کر دینا شکایت کا تو کچھ مشکل نہیں
لیکن ان کو رنج ہوگا مجھ کو کچھ حاصل نہیں
عاشقوں کی زیست پر کیونکر نہ رشک آئے مجھے
زندگی کے بھی مزے پھر موت سے غافل نہیں

کیا طریق طالبِ دنیا کی جانب رخ کروں
دل کو ہو جس میں سکوں ایسی کوئی منزل نہیں
قوم میں گو علم پھونکے بھی ہوائے زندگی
جان کیا پیدا ہو جب دو شخص بھی یک دل نہیں

☆☆﴿۱۲۵﴾☆☆

تخت کے قابض وہی دیہیم ان کے ہاتھ میں
ملک ان کا، رزق کی تقسیم ان کے ہاتھ میں
برق کی صورت پہنچتا ہے طبائع پر اثر
آ گیا تار امید و بیم ان کے ہاتھ میں
ہم کو سائے پر جنوں وہ دھوپ میں مصروف کار
مس پہ ہے اپنی نظر اور سیم ان کے ہاتھ میں
صبر باقی ہے نہ ہم میں باہمی اعزاز ہے
سب کی ہے تذلیل اور تعظیم ان کے ہاتھ میں
شیخ کی جانب کوئی جاتا نہیں کہتے ہیں سب
ہے فقط اب کوثر و تسنیم ان کے ہاتھ میں
مغربی رنگ و روش پر کیوں نہ آئیں اب قلوب
قوم ان کے ہاتھ میں تعلیم ان کے ہاتھ میں
خوب تر ہم سے ہیں ان کے دل میں اخلاقی اصول
گو نہیں ہے دینِ ابراہیم ان کے ہاتھ میں
جج بنا کر اچھے اچھوں کا لبھا لیتے ہیں دل

ہیں نہایت خوش نما دو جیم ان کے ہاتھ میں
مغرب ایسا ہی رہا اور ہے اگر مشرق یہی
ایک دن دیکھیں گے ہفت اقلیم ان کے ہاتھ میں

☆☆﴿۱۲۶﴾☆☆

دلیلیں فلسفہ کو نور باطن کر نہیں سکتیں
کواکب کی شعاعیں رات کو دِن کر نہیں سکتیں
ضروری چیز ہے اِک تجربہ بھی زندگانی میں
تجھے یہ ڈگریاں بوڑھوں کا ہمسن کر نہیں سکتیں
طلب کر دین سے اے محو نیچر جوش بامعنی
صدائیں مرغ کی کارِ مؤذن نہیں کر سکتیں
جہاں کی زینتیں راحت رساں ہیں چشم عاقل میں
مگر حق جو کے مضطر دل کو ساکن کر نہیں سکتیں

☆☆﴿۱۲۷﴾☆☆

کچھ نہ پوچھ اے ہمنشیں میرا نشیمن تھا کہاں
اب تو یہ کہنا بھی مشکل ہے وہ گلشن تھا کہاں
سامنے وہ تھے تو کہتا حالت دل کس طرح
ہوش میں اس وقت میں اے مشفق من تھا کہاں
دل جوانی میں ہماری جان کا خواہاں ہوا
آج تک سینے میں پوشیدہ یہ دشمن تھا کہاں
کر لیا ہم نے ازل میں شوق سے عہدِ الست

پیش چشم اس وقت یہ دیر برہمن تھا کہاں
دہر میں خار تعلق سے الجھتا کس طرح
کر چکا تھا میں جنوں و نذر دامن تھا کہاں

☆☆﴿۱۲۸﴾☆☆

سچ ہے کسی کی شان یہ اے نازنین نہیں
تو ہر جگہ ہے جلوہ گر اور پھر کہیں نہیں
میں نے وفور شوق میں شاید سنا نہ ہو
یا شاید آپ ہی نے نہ ی ہو نہیں نہیں
ان تیوروں کا میں تو ہوں کشتہ شب وصال
دِل میں ہزار شوق زباں پر نہیں نہیں
دست جنوں سے قطع ہوا پیرہن مرا
دامن نہین ہے جیب نہیں آستیں نہیں
کیا زور طبع ہو کر نہیں کوئی معترض
کیا نکتہ سنجیاں ہوں کوئی نکتہ چیں نہیں
میں تم سے کیا بتاؤں کہ اس وقت ہوں کہاں
جب تم ہو پیش چشم تو پھر میں کہیں نہیں
میں تم سے کیا بتاؤں کہ اس وقت ہوں کہاں
جب تم ہو پیش چشم تو پھر میں کہیں نہیں
میری نگاہ شوق کا اللہ رے اثر
معشوق بھول جاتے ہیں اپنی نہیں نہیں

جب سے گناہ چھوڑ دیئے سب کِھسک گئے
اب کوئی میرا دوست نہیں ہمنشیں نہیں

ہے جس کو شوق اپنی خودی کی نمود کا
سچ پوچھئے تو اس کو خدا پر یقین نہیں

طالب خدا کی راہ میں سر رکھے مثل ماہ
نور جبیں کہاں ہو جو داغ جبیں نہیں

اکبر ہمارے عہد کا اللہ رے انقلاب
گویا وہ آسمان نہیں وہ زمیں نہیں

☆☆ ﴿۱۲۰﴾ ☆☆

یہ تماشے ہیں یہیں زیر زمین تو کچھ نہیں
زندگی جب تک ہے سب کچھ ہے نہیں تو کچھ نہیں

وہ یہ کہتے ہیں کہ دنیا ہی میں ہے سب کچھ حضور
میں یہ کہتا ہوں کہ اے حضرت یہیں تو کچھ نہیں

کارِ دنیا شوق سے کرتے رہو اے دوستو
لیکن اس کے ساتھ بگڑا کار دیں تو کچھ نہیں

ان کا گھر اور ان کی باتیں دیکھ کر کہنا پڑا
قصر عالی شان ہے لیکن مکیں تو کچھ نہیں

☆☆ ﴿۱۳۰﴾ ☆☆

ہوائے نفس کا طوفاں ہے بحر زندگانی میں
خدا محفوظ رکھے کشتی دل کو جوانی میں

نہیں جمتا کسی کا نقش اس دنیائے فانی میں
حباب آسا مٹا ابھرا جو بحر زندگانی میں
حباب آسا رہی وقعت جو ابھرا زندگانی میں
عبث ہے خود نمائی کی ہو اس بحر فانی میں
سکون قلب کی دولت کہاں دنیائے فانی میں
بس اک غفلت سی ہو جاتی ہے اور وہ بھی جوانی میں
تری پاکیزہ صورت کر رہی ہے حسن ظن پیدا
مگر آنکھوں کی مستی ڈالتی ہے بدگمانی میں
اجل کی نیند آجاتی ہے آخر سننے والے کو
قیامت کا اثر پاتا ہوں دنیا کی کہانی میں
نسیم صبحگاہی نکہت گل سے ہے بے پروا
مگر گیسو ترے مصروف ہیں عنبر فشانی میں
حباب اپنی خود سے بس یہی کہتا ہوا گذرا
تماشہ تھا ہوا نے اک گرہ دے دی تھی پانی میں
نہ پوچھ اے ہمنشیں وہ قصۂ عیش و طرب ہم سے
کسے اب یاد ہے اک خواب دیکھا تھا جوانی میں
کمر کا کیا ہوں عاشق کھل گئی زلف دراز ان کی
کمر خود پڑگئی ہے اک بلائے آسمانی میں
اسی صورت میں دلکش خوبیٔ الفاظ ہوتی ہے
کہ حسن یار کا پیدا کرے جلوہٗ معانی میں
زبان حال سے پروانہ بسمل یہ کہتا ہے

حضوری ہو اگر حاصل مزا ہے نیم جانی میں
فلک نے مضمحل کر کے ہمیں خس کر دیا آخر
بجھے جاتے ہیں بے مقصود بحر زندگانی میں
ادائے شکر کرکے احتراز اولیٰ ہے اے اکبر
ہزاروں آفتیں شامل ہیں ان کی مہربانی میں

☆☆(۱۳۱)☆☆

پریشان ہوش کو کرتے ہیں ٹکڑے دِل کے کرتے ہیں
مگر عاقل بھی ہیں کرتے ہیں جو کچھ مل کے کرتے ہیں
حریفوں سے لگاوٹ کرتے ہیں آپس میں لڑتے ہیں
یونہیں بربادیاں آتی ہیں یونہیں گھر بگڑتے ہیں
خوشامد کرتے ہیں غیروں کی اور آپس میں لڑتے ہیں
یونہیں بربادیاں آتی ہیں یونہیں گھر بگڑتے ہیں
بزرگوں سے عدوات دوستی بادہ فروشوں سے
اور اس پر مدعی تہذیب کے بن کر اکڑتے ہیں
الجھنا زلف مغرب میں دکھاتا ہے وہ دنیا
مگر دینی مقاصد میں ہزاروں پیچ پڑتے ہیں
تعجب نخوتِ اہل زمین پر مجھ کو آتا ہے
یہ اس پر کیوں اکڑتے ہیں کہ جس میں مر کے گڑتے ہیں
ہمارا جوش میں آنا دکھا ہی دے گا رنگ اپنا
ابھی اس میکدے میں ہم پڑے گوشہ میں سڑتے ہیں

تحیر آپ کی غزلوں پر آتا ہے مجھے اکبر
بتوں پر آپ مرتے ہیں کہ شیطانوں سے لڑتے ہیں

☆☆﴿۱۳۲﴾☆☆

ضرورت جب نہیں پھر طبع کا کیوں رخ بدلتے ہیں
چمن ہوتے ہوئے بے فائدہ کانٹوں میں چلتے ہیں
غوص قرآن کے اب ہے ڈارون کا ذکر یاروں میں
جہاں تھے حضرت آدم وہاں بندر اچھلتے ہیں
ہمارا داغ دل کرتا ہے روشن بزمِ معنی کو
تو کیا شکوہ اگر ہم مغربی غمزوں سے جلتے ہیں

☆☆﴿۱۳۳﴾☆☆

واعظ ہمیں یہ وعظ کا فتر سنائے کیوں
ہم پوچھتے ہیں عالمِ ہستی میں آئے کیوں
موسیقی و شراب و جوانی و حسن و ناو
بچتا ہے کون اور خدا بھی بچائے کیوں

☆☆﴿۱۳۴﴾☆☆

حاصل نہیں کیا ایک ایک سے جو افسانہ حسرت کہتے ہیں
عاقل تو وہی ہیں اے اکبر جو سہتے ہیں اور چپ رہتے ہیں
ہے شاق جدائی آپ کی اب دن رات پریشان رہتے ہیں
ہم آپ کو بیحد چاہتے ہیں دل سے فدا سچ کہتے ہیں
ہے پاس شریعت بھی ہم کو ہیں عشق کی لہریں بھی دل میں

پابند ہیں ساحل مذہب کے دریا کی طرح سے بہتے ہیں
اکبر کی برائی اچھائی تو پوچھ محلے والوں سے
نظم ان کی سنی ہے البتہ شعر تو اچھے کہتے ہیں

☆☆﴿۱۳۵﴾☆☆

وزن اب ان کا معین نہیں ہوسکتا کچھ
برف کی طرح مسلمان گھلے جاتے ہیں
داغ اب ان کی نظر میں ہیں شرافت کے نشاں
نئ تہذیب کی موجوں سے دُھلے جاتے ہیں
علم نے رسم نے مذہب نے جو کی تھی بندش
ٹوٹی جاتی ہے وہ سب بند کھلے جاتے ہیں
شیخ کو وجد میں لائی پیانوں کی گتیں
پیچ دستار فضلیت کے کھلے جاتے ہیں

☆☆﴿۱۳۶﴾☆☆

تمہیں جو دیکھ لے پھر کیا وہ محوِ حُور جنت ہو
قیامت گو کہ برحق ہے مگر تم بھی قیامت ہو
مۓ گلگوں کی جانب دل بہت کھینچتا ہے اے اکبر
مگر مشکل یہی ہے شیخ جی سن لیں تو آفت ہو

☆☆﴿۱۳۷﴾☆☆

جس کو سارا قصہ عہد جوانی یاد ہو
کیا عجب ہے عہد پیری میں جو وہ ناشاد ہو

☆☆ ۱۳۸ ☆☆

شوخ ایسا ہے کہ اس بت کو اگر کافر کہو
ہنس کے کہتا ہے کہ پیارا لفظ ہے یہ پھر کہو
جو کہو چھا جائے ان آنکھوں پہ مستی کی طرح
فتنہ دوراں کہو ساقی کہو ساحر کہو
قیمت دل سن کے کہتے ہو کہ سودا ہے تجھے
خیر سودا ہی سہی تم بھی تو کچھ آخر کہو

☆☆ ۱۳۹ ☆☆

خوش دلی عشق میں دستور یہی ہے کہ نہ ہو
ہاں اور ان کو بھی تو منظور یہی ہے کہ نہ ہو
مرض عشق بھی کیا چیز ہے جس سے صحت
آرزوے دلِ رنجور یہی ہے کہ نہ ہو

☆☆ ۱۴۰ ☆☆

جلایا دل کو تڑپایا جگر کو
خدا رکھے سلامت اس نظر کو
دلِ سوزاں کی گرمی بڑھتی ہے اور
خدا کے واسطے پہلو سے سر کو
جوانی مار ہی رکھتی ہے اکبر
سنبھالو دل کو یا رو کو نظر کو

☆☆ ۱۴۱ ☆☆

آبرو چاہو اگر انگریز سے ڈرتے رہو
ناک رکھتے ہو تو تیغ تیز سے ڈرتے رہو
ہو مصیبت تو نہیں کچھ خوف سیل اشک سے
عیش ہو تو نفس طوفان خیز سے ڈرتے رہو
دیدہ نرگس سے چمن میں لطف اٹھاؤ بے خطر
لیکن اس چشم جنوں انگیز سے ڈرتے رہو

☆☆﴿۱۴۲﴾☆☆

تا بہ سینہ گردنیں جھکنے لگیں تسلیم کو
دردِ دل اٹھا خیالِ یار کی تعظیم کو
گردن محرابِ مسجد خم ہوئی تسلیم کو
اٹھی آواز اذاں اسلام کی تعظیم کو
طفلِ دل نے مکتب ادراک میں رکھا جو پاؤں
عشق پیدا کر دیا اللہ نے تعلیم کو

☆☆﴿۱۴۳﴾☆☆

فہم و ادراک میں ہو عقل میں ہو جان میں ہو
حق تو یہ ہے کہ تمہیں جلوہ گر انسان میں ہو
ہاتھ ہو کام میں اور دل ترے ارمان میں ہو
ہے یہی طرز عمل خوب جو امکان میں ہو
میں تو سو جان سے مرتا ہوں مری جاں تم پر
تم مری جان بچاؤ اگر امکان میں ہو

حسن جس چیز میں ہو دیکھ کے خوش کر دل کو
بند کرلے مگر آنکھیں اگر انسان میں ہو
جھوٹ سے نفرت کلی ہو طمع سے پرہیز
ہو نہ کچھ اور پر اتنا تو مسلمان میں ہو
دل جہاں ہوگا وہاں عشق بھی ہوگا
خواہ افریقہ میں ہو خواہ پرستاں میں ہو
ہے غلامی ہی جو قسمت میں تو ہو لطف کے ساتھ
کہہ دو ہندی سے کہ آباد پرستان میں ہو
آپ کی آنکھ میں کس نے یہ بھرا ہے جادو
اس کا ایما ہے کہ لغزش مرے ایمان میں ہو
کاہلی اور توکل میں بڑا فرق ہے یار
اٹھو کوشش کرو بیٹھے ہوئے کس دھیان میں ہو
ٹھیک ہو دل کی جو نسبت تو اثر دیں نالے
سُر میں آواز ہو اکبر تو مزا تان میں ہو

☆☆﴿۱۴۴﴾☆☆

ممکن نہیں کہ عشق ہو اور دِل خریں نہ ہو
میرا ہی حال دیکھ لے جس کو یقین نہ ہو

☆☆﴿۱۴۵﴾☆☆

گرم نظارہ ہر اک سمت سرِ راہ نہ ہو
رہزن عقل کوئی صورت دِل خواہ نہ ہو

شارحِ معنیٔ حُسنِ بتِ دِل خواہ نہ ہو
فہمیں قاصر نہ ہوں خلقت کہیں گمراہ نہ ہو

یار کے دِل میں اثر ہو یہ ہے مقصود کلام
اس کی پروا نہیں محفل میں اگر واہ نہ ہو

یہ چمک اس کی ہے اے جان تمہارے دم سے
تم جو پہلے میں نہ ہو لطف شب ماہ نہ ہو

قلقل شیشہ کو سنئے تو ذرا حضرتِ شیخ
دیکھیے تو کہیں اس قل میں اللہ نہ ہو

جانتا ہوں میں شب وصل کی کوتاہی کو
یہ دعا ہے کہ مری عمر سے کوتاہ نہ ہو

یہ ادائیں یہ لگاوٹ یہ بلا کی چتون
میں تو کیا، ضبط فرشتوں سے بھی واللہ نہ ہو

اک زمانہ ہے مرے قصہ غم سے واقف
اس کا باعث جو ہے شاید وہی آگاہ نہ ہو

بے رخی اس بت کمسن کی نہیں باعث یاس
نظر شوق سے شاید ابھی آگاہ نہ ہو

کیوں گلابی کے عوض پہنا ہے جوڑا کاہی
طعنہ زن گل پہ مری جان کہیں کاہ نہ ہو

شیخ کہتا ہے برائی بت خوش رو کی کرو
دل دھڑکتا ہے کہ ناخوش کہیں اللہ نہ ہو

چشمِ کافر کا اشارہ ہے کہ ایمان کیسا

چہرہ ہنستا ہے کہ دیکھو کوئی گمراہ نہ ہو
اک ترحم کی نظر یار نے کی ہے آخر
دل سے نکلے تو کہاں تک اثر آہ نہ ہو

اپنے ہاتھوں سے جو دو تخلیے میں جام شراب
شیخ صاحب کو ذرا عذر بھی واللہ نہ ہو

اور سوا اس کے وہ اک شخص ہے معقول پسند
غالباً جاڑوں میں یوں بھی انہیں اکراہ نہ ہو

جوشش گریہ پیہم کا ہے باعثِ رخ یار
جزر و مدہو نہ سمندر میں اگر ماہ نہ ہو

ہو نمود اور حسینوں کی چلے جائیں جو آپ
رونق آجائے کواکب میں اگر مادہ نہ ہو

میں سمجھتا ہوں کہ حوریں جو نہ ہوں جنت میں
تو عزازیل پھر انسان کا بدخواہ نہ ہو

دوست کا دوست نہ ہو جو وہ مرا دشمن ہے
نہ ملے مجھ سے وہ اس کا جو بہی خواہ نہ ہو

سالک راہ محبت کو خرد سے کیا کام
وہ تو چاہے گا کہ خود ہوش بھی ہمراہ نہ ہو

خرچ کیسا ہیں فقط جمع کے شائق احباب
میں تو خوش ہوں اگر افزائش تنخواہ نہ ہو

گل پہ بلبل بھی فدا بادِ صبا بھی صدقے
صورت اچھی ہوں اگر افزائش تنخواہ نہ ہو

نرگس مست تری قاتل عالم نکلی
کہیں صیاد اجل کی یہ کمیں گاہ نہ ہو
پھر جو آتی ہے شب ہجر تو آجائے اجل
ایسی تکلیف مجھے پھر مرے اللہ نہ ہو
منتوں کی ادھر افراط اِدھر کھٹکوں کی
ڈھونڈھوں وہ شہر کہ جس میں کوئی درگاہ نہ ہو
زلف ابجد کی کہیں نفی نہ کر دے ہندی
لام کی جا کہیں لا اے مرے اللہ نہ ہو
مرد آزاد ہوں مجھ سے یہ تکلف کیسا
بس مرے ساتھ یہ واللہ و باللہ نہ ہو
دسترس صیبد پہ حاصل تجھے ہو خواہ نہ ہو
شیر ہی بن کے نکل صورت روباہ نہ ہو
ذوق آرام بجا شوق تعلے بے جا
طلب رزق ہو لیکن ہوس جاہ نہ ہو
دِل کو بے عشق حقیقی نہیں ہوتی حرکت
نہیں چلتی ہے یہ کشتی جہاں تھاہ نہ ہو
خیر خواہ آج زمانہ میں کہاں ملتے ہیں
ہے یہی لاکھ غنیمت کوئی بدخواہ نہ ہو
محو تمکیں رہے نفرت ہو سبک وضعی سے
صورتِ کوہ ہو انسان صفت کاہ نہ ہو
شرک ہے اپنی خودی کا اگر آتا ہے خیال

کفر ہے جان سے پیارا اگر اللہ نہ ہو

یا قدم منزل یوسف میں نہ رکھ اے طالب

یا نہ کر شرط کہ واں گرگ نہ ہو چاہ نہ ہو

بند کر بیٹھا ہو آنکھیں جو تمہاری دھن میں

کیا عجب شور قیامت سے بھی آگاہ نہ ہو

ہے اگر منزل راحت کی تلاش اے اکبر

وہ جگہ ڈھونڈھ تمنا کی جہاں راہ نہ ہو

تم اگر چاہو برائی نہ کسی کی اکبر

پھر تمہارا بھی جہاں میں کوئی بدخواہ نہ ہو

☆☆﴿۱۴۶﴾☆☆

شکر ہے راہ ترقی میں اگر بڑھتے ہو

یہ تو بتلاؤ کہ قرآں بھی کبھی پڑھتے ہو

شیخ صاحب کا تعصب ہے جو فرماتے ہیں

اونٹ موجود ہے پھر ریل پہ کیوں چڑھتے ہو

یہ سوال ان کا ہے البتہ بہت بامعنی

کہ سمجھ بوجھ کے قرآں بھی کبھی پڑھتے ہو

دین کو سیکھ کے دنیا کے کرشمے دیکھو

مذہبی درس الف بے ہو علیگڈھ ہو

☆☆﴿۱۴۷﴾☆☆

بہت رہتی ہے حیراں دیکھ کر گو تیری قدرت کو

ادا کرتی نہیں چشم تماشا حق حیرت کو
بہت خوش ہے کہ قد لعبت چیں کے مطابق
ہمارے طفل دل نے کھیل سمجھا ہے قیامت کو

☆☆﴿۱۴۸﴾☆☆

سب ہو چلے ہیں اس بت کافر ادا کے ساتھ
رہ جائیں گے رسولﷺ ہی بس اب خدا کے ساتھ
جادو کیا یہ کس بت کافر نگاہ نے
اسلام میں وفا نہ رہی اتقا کے ساتھ
خواب اجل ہی نیند کے بدلے اب آئے گا
دیوانہ کر دیا مجھے اک شب سلا کے ساتھ
واعظ کے اعتراض سے تنگ آ گیا ہوں میں
اس کو بھی دیکھ لو کبھی تم اک ادا کے ساتھ
اکبر دعا کا ذوق ہو کیونکر نصیب دل
اٹھے نہ درد دل بھی جو دست دعا کے ساتھ

☆☆﴿۱۴۹﴾☆☆

کرتے ہو تم خوشامد دنیا بڑھا کے ہاتھ
اللہ کی طرف نہیں اٹھتے دعا کے ہاتھ

☆☆﴿۱۵۰﴾☆☆

اچھی نہیں شے کوئی محبت سے زیادہ
وہ بھی ہے بری ہو جو ضرورت سے زیادہ

اے حسن کے مائل یہ نصیحت مری سن لے
سیرت پہ نظر چاہیئے صورت سے زیادہ

سید سے علی گڈھ میں یہ جا کر کوئی کہہ دے
ہے تجھ کو طلب قوم کی قسمت سے زیادہ

مجھ رند سے اس درجہ نہ ہو محترز اے شیخ
تو پاک نہیں ہے مری نیت سے زیادہ

اک بوسہ پہ وہ ٹال گئے ہم بھی رہے چپ
سمجھے کہ کسے ملتا ہے قسمت سے زیادہ

☆☆﴿۱۵۱﴾☆☆

عشق بتاں میں اکبر ناداں تیری یہ حالت توبہ توبہ
ایسے مسلم فخر حرم کی دیر میں ذلت توبہ توبہ

دیوانوں سے شعر نہ چنئے سب کا خلاصہ مجھ سے سنئے
آپ کی صورت سبحان اللہ میری نیت توبہ توبہ

مذہب چھوڑو ملت چھوڑو صورت بدلو عمر گنواؤ
صرف کلرکی کی امیداور اتنی مصیبت توبہ توبہ

سڑ کے کھینچی ہے دست نجس سے بوئے بد بھی آتی ہے اس سے
ایسی چیز سے بھائی صاحب آپ کو رغبت توبہ توبہ

☆☆﴿۱۵۲﴾☆☆

خرمن گل کو خزاں لے جائے گی اک بار باندھ
آشیانہ یاں نہ تو اے عندلیب زار باندھ

شعر میں اکبر یہی مضمون تو ہر بار باندھ
اے مسلماں سبحہ لے اے برہمن زنار باندھ
سر میں سودا آخرت کا ہو یہی مقصود ہے
مغربی ٹوپی پہن یا مشرقی دستار باندھ
خلق تجھ سے بے خبر ہے دے خبر خالق کو تو
تار برقی گر نہیں ہے آنسوؤں کا تار باندھ

☆☆﴿۱۵۳﴾☆☆

بیکار شب کو یوں سر بستر پڑا نہ رہ
اکبر جو تجھ کو نیند نہ آئے تو شعر کہہ

☆☆﴿۱۵۴﴾☆☆

بچنا فضول گوئی سے ہے مقصد سکوت
معقول بات ذہن میں آئے تو چپ نہ رہ
نام خدا بڑھے ہیں کہیں آپ بدر سے
چودہ شبیں وہاں ہیں تویاں سال چاردہ
یہ عمر یہ جمال یہ جادو بھری نگہ
پھر اس پہ واعظوں کا یہ کہنا کہ بازرہ

☆☆﴿۱۵۵﴾☆☆

ٹٹو پہ جس طرح سے ہو تازی کا ساز بوجھ
یوں بابوانِ ہند پہ ہے اب نماز بوجھ
کپتان اپنی موج میں ہے ہم ہیں ڈوبتے

واللہ قوم پر ہے یہ قومی جہاز بوجھ
منصور سر کٹا کے سبکدوش ہوگیا
تھا سخت اس کے دل پہ انا الحق کا راز بوجھ
اکبر کے واسطے بھی وہی شرط پاس کی
ہر ایک پر نہ لادئے بے امتیاز بوجھ

☆☆﴿۱۵۶﴾☆☆

جو کردے حسن کو مشتاق و بیتاب
غضب ہے وہ ادائے عاشقانہ
سنا خون جگر کھاتا ہے اکبر
مبارک یہ غذائے عاشقانہ

☆☆﴿۱۵۷﴾☆☆

آئینہ رکھ دے بہار غفلت افزا ہوچکی
دل سنوار اپنا جوانی خود آرا ہوچکی
خانہ تن کی خرابی پر بھی لازم ہے نظر
زینت و آرائش قصرِ معلّٰے ہوچکی
بے خودی کی دیکھ لذت کرکے ترک آرزو
ہوچکی حد ہوس مشق تمنا ہوچکی
حسن مطلق کے تصور سے بھی لے دو ایک جام
روئے زیبا ہوچکا زلف چلیپا ہوچکی
چل بسے یاران ہمدم اٹھ گئے پیارے عزیز

آخرت کی اب کر اکبر فکر دنیا ہوچکی

☆☆﴿۱۵۸﴾☆☆

نکہت گل سے شمیم زلف یاد آ ہی گئی
آج تو مجھ کو نسیم صبح تڑپا ہی گئی

بادہ عرفاں کی مستی روح کو بھا ہی گئی
عقل سر میں رہ گئی دل میں کچھ اور آ ہی گئی

اس جفا پر بھی طبیعت اس پہ بس آ ہی گئی
اک ادا ظالم نے ایسی کی کہ وہ بھا ہی گئی

عاشقوں میں رسم عیش دنیوی رائج نہیں
قیس کب دولھا بنا لیلیٰ کہاں بیاہی گئی

اک لطافت قلب میں تھی عقل و حکمت کے سوا
رہ گئے سب وہ مگر پرتو ترا پا ہی گئی

مختلف شکلوں میں آ کر ہوگئی آخر ہوا
ابر کی پھبتی مری امید پر چھا ہی گئی

عشوہ ہائے دشمن ایماں کا اک طوفان تھا
دیکھ کر بت کو مگر یاد خدا آ ہی گئی

خوش نصیبی زال دنیا کی تعجب خیز ہے
چاہے جانے کے نہ تھی لائق مگر چاہی گئی

مستی مئے سے نظر ان کی تھی تیغ بے نیام
نشۂ عشق و جنوں سے پھر بھی شرما ہی گئی

سیکھ لو بدلی سے تم طرز عمل اے عالمو
جو سمندر سے لیا تھا ہم پہ برسا ہی گئی
اپنے تمکین و تحمل پر بہت نازاں تھا میں
اک بت کافر کی چشم مست تڑپا ہی گئی

☆☆﴿۱۵۹﴾☆☆

رقص کرتی ہے صبا نغمہ سرا ہے بلبل
شاہد گل کے لیے ناچ بھی ہے گانا بھی
ہر رُکاوٹ کی وہ دھج ہے کہ تڑپ جاتا ہے دل
کسی استاد سے تم سیکھے ہو شرمانا بھی

☆☆﴿۱۶۰﴾☆☆

کچھ طرز ستم بھی ہے کچھ انداز وفا بھی
کھلتا نہیں حال ان کی طبیعت کا ذرا بھی
عشوہ بھی ہے شوخی بھی تبسم بھی حیا بھی
ظالم میں اور اک بات ہے ان سب کے سوا بھی
ایمان بھی تھا علم بھی تھا عقل رسا بھی
وہ لے گئے دل اور کوئی بولا نہ ذرا بھی
الفت ہی میں کرتے ہیں شکایت بھی گلہ بھی
اب اس کو بھلا دو کچھ اگر میں نے کہا بھی
سچ بات کا انکار میں کیونکر کروں اے بت
بے شک مجھے آتی ہے کبھی یاد خدا بھی

سالک کو دم تیغ ہے قطع رہ توحید
دو ہوگیا اک آن میں چوکا جو ذرا بھی

کچھ قد نہ کی عہد جوانی کی صد افسوس
ہم رہ گئے غفلت میں یہ آیا بھی گیا بھی

تصدیق ہوء دیکھ کے وہ قامت زیبا
سنتا تھا کہ فتنے ہیں قیامت کے سوا بھی

دیکھیں کسے حاصل ہو قدمبوسی جاناں
پسنے کو ہے موجود مرا دل بھی حنا بھی

ڈاڑھی پہ بھی واعظ کے ہے تلون پہ بھی ان کے
چالاک مرے ہاتھوں کی صورت ہے حنا بھی

باقی نہ رہا خون بھی اب میرے جگر میں
افسوس ہوا چاہتی ہے ترک غذا بھی

کیونکر کہوں رنگینی باطن سے ہے عزت
پامال نظر آتی ہے مجھ کو تو حنا بھی

چپ رہتا ہوں تو کہتے ہیں الفت نہیں تجھ کو
کرتا ہوں خوشامد تو یہ فرماتے ہیں جا بھی

سنتے ہیں کہ اکبر نے کیا عشق بتاں ترک
اس بات سے تو خوش نہ ہوا ہوگا خدا بھی

☆☆﴿۱۶۱﴾☆☆

نظرِ لطف سے بس اک ہمیں محروم رہے
اور کیا عرض کریں آپ کو معلوم رہے

☆☆﴿۱۶۲﴾☆☆

چمن کی یہ کیسی ہوا ہوگئی
کہ صرصر سے بدتر صبا ہوگئی
عیادت کو آئے شفا ہوگئی
علالت ہماری دوا ہوگئی
وہ اٹھے تو لاکھوں ہی فتنے اٹھے
چلے تو قیامت بپا ہوگئی
پڑھی یاد رخ میں جو میں نے نماز
عجب حسن کے ساتھ ادا ہوگئی
تماشائے مقتل کو آئے جو وہ
تڑپنے کی لذت سوا ہوگئی
محبت کی گرمی بھی کیا چیز ہے
طبیعت مری کیا سے کیا ہوگئی
لگاوٹ بہت ہے تری آنکھ میں
اسی سے تو یہ فتنہ زا ہوگئی
میں ممنون ہوں وعدہ یار کا
تسلی تو خیر اک ذرا ہوگئی

بتوں نے بھلایا جو دل سے مجھے
مرے ساتھ یاد خدا ہوگئی
انہیں نے عطا کی تھی جانِ حزیں
ہوا خوب انہیں پہ فدا ہوگئی

☆☆ ۱۶۳ ☆☆

مری روح تن سے جدا ہوگئی
کسی نے نہ جانا کہ کیا ہوگئی
بہت دختر رز تھی رنگین مزاج
نظر ملتے ہی آشنا ہو گئی
مریض محبت ترا مرگیا
خدا کی طرف سے دوا ہوگئی
نہیں تھی تو نام کمر کیوں ہوا
جو پیدا ہوئی تھی تو کیا ہوگئی
نہ تھا منزل عافیت کا پتہ
قناعت مری رہنما ہوگئی
ملا میں بھی اک رات دنیا سے خوب
مرے گھر بھی یہ بیسوا ہوگئی
ستایا بہت حاسدوں نے مجھے
تری مہربانی جفا ہوگئی
گھٹی گو رندی سے وقعت مری

طبیعت مگر بے ریا ہوگئی
گوارا نہ تھا ذکر خون جگر
مگر اب تو میری غذا ہوگئی
بتوں کو محبت نہ ہوتی مری
خدا کا کرم ہوگیا ہوگئی
اشارہ کیا بیٹھنے کا مجھے
عنایت کی آج انتہا ہوگئی
رہ معرفت میں جو رکھا قدم
خودی بھی بس اک نقش پا ہوگئی
کتاب حقیقت کرے کون ختم
کہ ہر اک خبر مبتدا ہوگئی
وہ ساری امیدیں ملیں خاک میں
جو بدلی اٹھی تھی ہوا ہوگئی
فلک سے مٹا دل کا سارا ابھار
جو بدلی اٹھی تھی ہوا ہوگئی
یہ تھی قیمت رزق ٹوٹے جو دانت
غرض کوڑی کوڑی ادا ہوگئی
پھنسی جسم خاکی میں روح لطیف
اسیر کمندِ ہوا ہوگئی
دوا کیا وقت دعا بھی نہیں
تری حالت اکبر یہ کیا ہوگئی

عاشق جو آستانہ مشکل کشا کی ہے
تابش مری جبین پہ نور خدا کی ہے
حُبِ علیؑ سے ہوگی دلوں کی شگفتگی
کلیوں کو احتیاج نسیم و صبا کی ہے
روبہ مزاجیاں سگ دنیا کی دیکھ لیں
حسرت بس اب زیارت شیر خدا کی ہے
صورت شگفتہ ہر گل رنگین قبا کی ہے
مستانہ چال باغ میں بادِ صبا کی ہے
آزاد ہی نہیں ہے کہ پیدا ہو اشک و آہ
دنیا میں دھوم خوبی آب و ہوا کی ہے
پھولوں سے لو لگائے ہے بادِ صبا کی لے
دمساز تان بلبل شیریں نوا کی ہے
سبزہ لہک رہا ہے بصد انبساط طبع
سنبل میں تاب یار کی زلف دوتا کی ہے
مرغان باغ وجد میں ہیں فرط شوق سے
ڈوبی ہوئی مزے میں طبیعت ہوا کی ہے
آراستہ ہے ایک طرف بزم مومنین
کثرت لبوں پہ حمدؔ درود و دعا کی ہے
پوچھا جو اس سماں کا سبب بول اٹھے ملک

پیدائش آج حضرتِ مشکل کشا کی ہے

☆☆﴿۱۶۵﴾☆☆

دل مرا ان پہ جو آیا تو قضا بھی آئی
درد کے ساتھ ہی ساتھ اس کی دوا بھی آئی
آئے کھولے ہوئے بالوں کو تو شوخی سے کہا
میں بھی آیا ترے گھر میری بلا بھی آئی
وائے قسمت کہ مرے کفر کی وقعت نہ ہوئی
بت کو دیکھا تو مجھے یاد خدا بھی آئی
ہوئیں آغاز جوانی میں نگاہیں نیچی
نشہ آنکھوں میں جو آیا تو حیا بھی آئی
ڈس لیا افعی شام شب فرقت نے مجھے
پھر نہ جاگوں گا اگر نیند ذرا بھی آئی

☆☆﴿۱۶۶﴾☆☆

فارسی اٹھ گئی اردو کی وہ عزت نہ رہی
ہے زباں منہ میں مگر اس کی وہ قوت نہ رہی
بند کر اپنی زباں ترکِ سخن کر اکبر
اب تری بات کی دنیا کو ضرورت نہ رہی

☆☆﴿۱۶۷﴾☆☆

روز افزوں ہو محبت وہ ملاقات اچھی
شوق ملنے کا بڑھاتی رہے وہ بات اچھی

وہ عمل کیا جو دلیری کو گھٹائے اے دوست
قوت دِل کو بڑھاتی رہے وہ بات اچھی

موقع بحث نہیں صاحب اقبال ہیں آپ
میری ہر بات بری آپ کی ہر بات اچھی

شب برات اچھی ہے اے جان نہ اچھی شب قدر
آپ حصہ میں مرے آئیں وہی رات اچھی

ہم بغل شاید دلجو ہو تو جاڑا اچھا
ہم نشیں ساقی مہوش ہو تو برسات اچھی

مائل ضبط بھی ہوں شائق فریاد بھی ہوں
جو پسند آپ کو آجائے وہی بات اچھی

فتنہ ان آنکھوں سے اٹھا تو مچی واہ کی دھوم
سچ یہ ہے صاحب اقبال کی ہر بات اچھی

ہو نمود اپنی تو اندھیر کی پروا کس کو
کوئی تاروں سے جو پوچھے تو کہیں رات اچھی

آپ کے جو رو ستم بھی ہیں دل آویز مجھے
چشم عاشق میں ہے معشوق کی ہر بات اچھی

بارِ خاطر ہو تو واعظ کا بھی ارشاد برا
دل کو بھا جائے تو اکبر کی خرافات اچھی

☆☆﴿۱۶۸﴾☆☆

آپ کا خیر طلب لائق عزت نہ سہی
رحم ہی کیجئے لِلّٰہ محبت نہ سہی
ہو رہو خاک در پیر مغاں اے اکبر
زندگی لطف سے کٹ جائے گی عزت نہ سہی
کر دیا کنج قناعت میں بسر اکبر نے
عزت دل تو سلامت رہی دولت نہ سہی

☆☆﴿۱۶۹﴾☆☆

سکھ پائے طبیعت جس سے تری رکھ شغل اپنا دن رات وہی
جو دل میں سمائے من بھائے ہے تیرے لئے حق بات وہی
کیا روتا ہے اگلے وقتوں کو تہ کر دے تو اپنے نوحوں کو
بھٹکاتے ہیں جوان سے ہوا الگ پھر دن ہیں وہی اور رات وہی
دھرتی نے جو بدلا رنگ تو کیا تو اپنی نظر اوپر کو اٹھا
داتا کے کرم میں کیا ہے کمی بدلی وہی برسات وہی

☆☆﴿۱۷۰﴾☆☆

میری ناکامیابی کی کوئی حد ہو نہیں سکتی
صداقت چل نہیں سکتی خوشامد ہو نہیں سکتی
مری ہستی ہے خود شاہد وجود ذاتِ باری کی
دلیل ایسی ہے یہ جو عمر بھر رو ہو نہیں سکتی
نہیں ہاتھ آتی دولت نام رٹنے سے بزرگوں کے

ہجا سے جد کے ترکیب زبر جد ہو نہیں سکتی

نہایت خوشنما پتھر پڑے ہیں عقل پر ان کی

جنہیں تسکیں بے لعل و زمرد ہو نہیں سکتی

ترنم ساز ہستی کا تجھے کیا لطف دے غافل

تری روح آشنائے صورت سرمد ہو نہیں سکتی

بہار آئی ہے اے واعظ ابھی معذور رکھ مجھ کو

محل توبہ فصلِ گل کی آمد ہو نہیں سکتی

بری تعلیم سے پیدا ہوں گو رائیں غلط لیکن

طبیعت فطرتاً ہے نیک تو بد ہو نہیں سکتی

مکیں کو دیکھ کر اکبر میں جھکتا ہوں کسی در پر

نظر اپنی مرید طاق و گنبد ہو نہیں سکتی

مسلمانوں کو فیض اس بزم سے ممکن نہیں اکبر

کہ جس میں عزت نامِ محمد ﷺ ہو نہیں سکتی

☆☆﴿۱۷۱﴾☆☆

شکر ہے تم نے مرے درد کی کچھ داد تو دی

نہ دوا کی نہ سہی رخصتِ فریاد تو دی

کیا ہوا شمع حرم تو نے بجھا دی اے دوست

دیر کے شعلہ زبانوں نے تجھ داد تو دی

☆☆﴿۱۷۲﴾☆☆

بہر رفتار میں جب کرتا ہوں تدبیر نئی

ڈال دیتا ہے **فلک** پاؤں میں زنجیر نئی

تو خوشامد کا ہے محو اور میں قناعت کا مرید

میری اکسیر پرانی ترِی اکسیر نئی

پالسی تیرے لئے میرے لئے صبر و رضا

میری اکسیر پرانی تری اکسیر نئی

کھوئے دیتے ہو جو تم مذہب و ملت اے یار

کیا سمجھتے ہو کہ مل جائے گی تقدیر نئی

☆☆﴿۱۷۳﴾☆☆

الفت سے تری قطعِ نظر ہو نہیں سکتی

یہ بات تو اچھی ہے مگر ہو نہیں سکتی

افسوس کہ دِل شوق حضوری میں ہے بیتاب

دربان یہ کہتا ہے خبر ہو نہیں سکتی

اغیار کی کی آمد و شد آپ نے جاری

راحت مجھے اب آپ کے گھر ہو نہیں سکتی

☆☆﴿۱۷۴﴾☆☆

ختم کیا صبا نے رقص گل پہ نثار ہوچکی

جوشِ نشاط ہوچکا صورت ہزار ہوچکی

نیک و بد زمانہ کو دیکھ کے گل نے راہ لی

لطف نسیم ہوچکا کاوشِ خار ہوچکی
رنگِ بنفشہ مٹ گیا سنبل تر نہیں رہا
صحنِ چمن میں زینتِ نقش و نگار ہوچکی
مستی لالہ اب کہاں اس کا پیالہ اب کہاں
دورِ طرب گزر گیا آمد یار ہوچکی
رت وہ جو تھی بدل گئی آئی بس اور نکل گئی
تھی جو ہوا میں نکہتِ مشک تتار ہو چکی
اب تک اُسی روش پہ ہے اکبرِ مست بے خبر
کہہ دے کوئی عزیزِ من فصل بہار ہوچکی

☆☆﴿۱۷۵﴾☆☆

بہت رہا ہے کبھی لطفِ یار ہم پر بھی
گزر چکی ہے یہ فصل بہار ہم پر بھی
عروس دہر کو آیا تھا پیار ہم پر بھی
یہ بیسوا تھی کسی شب نثار ہم پر بھی
بٹھا چکا ہے زمانہ ہمیں بھی مسند پر
ہوا کئے ہیں جواہر نثار ہم پر بھی
عدو کو بھی جو بنایا ہے تم نے محرمِ راز
تو فخر کیا جو ہوا اعتبار ہم پر بھی
خطا کسی کی ہو لیکن کھلی جو ان کی زباں
تو ہو ہی جاتے ہیں دوا ایک وار ہم پر بھی

ہم ایسے رِند مگر یہ زمانہ ہے وہ غضب
کہ ڈال ہی دیا دینا کا بار ہم پر بھی
ہمیں بھی آتش الفت جلا چکی اکبر
حرام ہوگئی دوزخ کی نار ہم پر بھی

☆☆(١٧٦)☆☆

ان کی نگاہ دشمن اسلام ہی رہی
شرم و حیا کے ساتھ بھی بدنام ہی رہی
یاروں نے سو طرح کے مشاغل کیے بہم
لیکن مجھے تو فکرمے و جام ہی رہی

☆☆(١٧٧)☆☆

تسکینِ دل اس بزم میں واللہ نہ پائی
چاہا تھا نکل جائیں مگر راہ نہ پائی
معنی سے معرا نظر آیا مجھے ہر نقش
آنکھوں نے کوئی صورتِ دل خواہ نہ پائی
غواص رہی بحرِ حقیقت کی ہمیشہ
فکرِ حکما نے بھی مگر تھاہ نہ پائی
دیکھی نہ کوئی بات سوا نام کے اس میں
کچھ لذتِ شان و چشم و جاہ نہ پائی
بارِ دل پر غم میں کمی ہوتی کچھ اس سے
فریاد کی طاقت بھی مگر آہ نہ پائی

ملت کا ادب اُٹھ گیا جس قوم کے دل سے
اقبال کی سمت اس نے کبھی نہ پائی

☆☆﴿۱۷۸﴾☆☆

کفر کی رغبت بھی ہے دل میں بتوں کی چاہ بھی
کہتے جاتے ہیں مگر منہ سے معاذ اللہ بھی
اب تو نقدی سے کوئی صاحب مرا دل خوش کریں
سن چکا ہوں مرحبا بھی آفریں بھی واہ بھی
واہ کیا جلوہ ہے پیشِ چشم ادراکِ بشر
شبہ بھی ہاں بھی نہیں بھی وہم بھی اللہ بھی

☆☆﴿۱۷۹﴾☆☆

حالت تو یہ پہنچی ہے کہ دیکھی نہیں جاتی
اور دل سے محبت ہے کہ اب بھی نہیں جاتی
کیا کام چلے ان کی توجہ نہیں اکبر
اب کہئے خوشامد کی تو وہ کی نہیں جاتی

☆☆﴿۱۸۰﴾☆☆

نئی تہذیب سے ساقی نے ایسی گرم جوشی کی
کہ آخر مسلموں میں روح پھونکی بادہ نوشی کی
تمہاری پالیسی کا حال کچھ کھلتا نہیں صاحب
ہماری پالیسی تو صاف ہے ایماں فروشی کی
چھپانے کے عوض چھپوا رہے ہیں خود وہ عیب اپنے

نصیحت کیا کروں میں قوم کو اب عیب پوشی کی
پہننے کو تو کپڑے ہی نہ تھے کیا بزم میں جاتے
خوشی گھر بیٹھے کر لی ہم نے جشنِ تاجپوشی کی
شکست رنگ مذہب کا اثر دیکھیں نئے مرشد
مسلمانوں میں کثرت ہو رہی ہے بادہ نوشی کی
رعایا کو مناسب ہے کہ باہم دوستی رکھیں
حماقت حاکموں سے ہے توقع گرم جوشی کی
ہمارے قافیے تو ہوگئے سب ختم اے اکبر
لقب اپنا جو دے دیں مہربانی یہ جوشی کی

☆☆﴿۱۸۱﴾☆☆

حسن ہے بے وفا بھی فانی بھی
کاش سمجھے اسے جوانی بھی
بڑھتا جاتا ہے حسن قوم مگر
ساتھ ہی اس کے ناتوانی بھی
سب پہ حاوی ہیں لعبتانِ فرنگ
چپ ہیں بیگم بھی بت ہیں رانی بھی

☆☆﴿۱۸۲﴾☆☆

دلِ مبتلائے غفلت تو ہے محو دیر فانی
جو خدا کی یاد آئے تو اسی کی مہربانی
جو گزر گیا خودی سے تو وہ گیا اسی سے

نہ ہوائے ارنی نہ صدائے لن ترانی
میں زباں پہ لاؤں کیونکر وہ حدیث حسن مطلق
کہ نہ بارِ لفظ اُٹھائے گی نزاکت معانی
میں سمجھ گیا وہی ہے مرے پردہ نفس میں
مجھے اب تو سانس ہی ہے لطفِ زندگانی

☆☆﴿۱۸۳﴾☆☆

شیخ کی بات بگڑنے سے بھی مطلق نہ بنی
بادہ خواری پہ بھی اس شوخ سے گاڑھی نہ چھنی
گم ہوئے ہوش جو دیکھا بت ترسا کا جمال
اس قدر کبر یہ عشوے یہ دھج اللہ غنی
آپ کے ہو نہیں سکتے ہیں یہ غربی ریزے
دل نہ ٹھہرے تو نگل جائیے ہیرے کی کنی
پاؤں کا پناہی کے خوف سے ان کے در پر
چشت پتلون پہننے پہ بھی پنڈلی نہ تنی
دل ہی دیتا تھا یہ وہ دین بھی کرتے تھے طلب
یہی باعث تھا کہ اکبر کی بتوں سے نہ بنی

☆☆﴿۱۸۴﴾☆☆

آئی ہوگی کسی کو ہجر میں موت
مجھ کو تو نیند بھی نہیں آتی
عاقبت میں بشر سے ہے یہ سواء

کیا کہوں شاعری نہیں آتی

حال وہ پوچھتے ہیں میں ہوں خموش

کیا کہوں شاعری نہیں آتی

ہم نشیں بک کے اپنا سر نہ پھرا

رنج میں ہوں ہنسی نہیں آتی

عشق کو دل میں دے جگہ اکبر

علم سے شاعری نہیں آتی

☆☆﴿۱۸۵﴾☆☆

دشت غربت ہے علالت بھی ہے تنہائی بھی

اور ان سب پہ فزوں بادیہ پیمائی بھی

خواب راحت ہے کہاں نیند بھی آتی نہیں اب

اب اُچٹ جانے کو آئی جو کبھی آئی بھی

یاد ہے مجھ کو وہ بے فکری و آغاز شباب

سخن آرائی بھی تھی انجمن آرائی بھی

صحن گلزار بھی تھا ساقی گلفام بھی تھا

مئے گلرنگ بھی تھی لے بھی تھی اور نائی بھی

نگہ شوق و تمنا کی وہ دلکش تھی کمند

جس سے ہو جاتے تھے رام آہوئے صحرائی بھی

ہم صنم خانہ جہاں کرتے تھے اپنا قائم

پھر کھڑے ہوتے تھے واں حور کے شیدائی بھی

اب نہ وہ عمر نہ وہ لوگ نہ وہ لیل و نہار
بجھ گئی طبع کبھی جوش پہ گر آئی بھی

اب تو شبہے بھی مجھے دیو نظر آتے ہیں
اس زمانہ میں پری زاد تھی رسوائی بھی

میں تو آنکھوں میں جگہ دینے کو حاضر تھا اسے
نیند ظالم سے یہ پوچھو کہ کبھی آئی بھی

اب تلک گونڈے سے امید رہائی نہیں کچھ
لیجئے ہوگئی ختم آج تو جولائی بھی

کام کی بات جو کہنی ہو وہ کہہ لو اکبر
دم میں چھن جائے گی یہ طاقت گویائی بھی

☆☆﴿۱۸۶﴾☆☆

عشق و مذہب میں دو رنگی ہوگئی
دین و دل میں خانہ جنگی ہوگئی

سختی ایام کا دیکھو اثر
گلبدن کی جا یہ سنگی ہوگئی

دختِ رز شیشہ سے نکلی بے حجاب
سامنے رندوں کے ننگی ہوگئی

علم یورپ کا ہوا میداں وسیع
رزق میں ہندی کے تنگی ہوگئی

☆☆﴿۱۸۷﴾☆☆

کر دیا نزع نے واقف کہ یہ ہستی کیا تھی
ہوش آیا تو کھلا حال کہ مستی کیا تھی

رنگ حافظ پہ بہک جاتے ہیں ارباب مجاز
یہ سمجھتے نہیں وہ بادہ پرستی کیا تھی

فرقت یار میں بدلی کا مزہ کچھ نہ ملا
میری نظروں میں تو روتی تھی برستی کیا تھی

میں تو بت خانہ میں گاہک نہ ہوا عزت کا
دین کے بدلے مس تھی تو سستی کیا تھی

☆☆﴿۱۸۸﴾☆☆

اولوالعزمی جسے سمجھے تھے ہم وہ خود کشی نکلی
گمانِ ہوشیاری جس پہ تھا وہ بے ہشی نکلی

غضب یہ ہے کہ فریاد و فغاں بھی کر نہیں سکتے
جو دیکھی فال تو بس اس میں پند خامشی نکلی

☆☆﴿۱۸۹﴾☆☆

وقتِ پیری آ گیا اکبر جوانی ہوچکی
سانس لینا رہ گیا اب زندگانی ہوچکی

ہجر میں دل کی سزا اے میرے جانی ہوچکی
ملئے اب بہرِ خدا نا مہربانی ہوچکی

ایڑیوں تک پہنچی زلف ان کی تو مجھ کو کیا اُمید
راحتِ جاں یہ بلائے آسمانی ہوچکی

وقت لطف و مہر ہے اے جان عشوے چھوڑ دے
کیجئے دل داریاں اب دل ستانی ہوچکی
ضعف ایسا ہے تو قصد کوئے جاناں کیا کروں
کیجئے دل داریاں اب دل ستانی ہوچکی
رنگ گلزار جہاں ہے ہائے کتنا بے ثبات
دو ہی دن میں لالہ و گل کی جوانی ہوچکی
ایک عالم منتظر ہے بس اُلٹئے اب نقاب
کیجئے برپا قیامت لن ترانی ہوچکی
عاشقیِ شاہدِ کالج ہے بربادی عمر
پاس تک پہنچے نہیں ہم اور جوانی ہوچکی
حضرتِ دل ہوگئے اس عہد میں جزو شکم
کیجئے عرضی نویسی شعر خوانی ہوچکی

☆☆ ۱۹۰ ☆☆

رفیق حرص و مکاری دلیری ہو نہیں سکتی
جو ہیں روباہ طینت ان میں شیری ہو نہیں سکتی
کسی کے ساتھ دنیا نے وفا کی ہی نہیں اب تک
تو میں کیوں ہو رہوں اس کا جو میری ہو نہیں سکتی
کہوں جھومر کے ہوتے کیوں شب تار ان کی زلفوں کو
جب اتنے چاند ہوں تو رات اندھیری ہو نہیں سکتی
خدا ہی جانے کتنے قالبوں میں مشترک ہوگی

یہ خاک جسم بھی دنیا میں تیری ہو نہیں سکتی
محبت اپنی ہی پریوں سے رکھیں حضرت اندر
مسِ مغرور لندن ان کی چیری ہو نہیں سکتی
فزوں ہے دلکشی مشرق کی مغرب کی لطافت سے
حریفِ بلبلِ گلشن کنیری ہو نہیں سکتی
خدا کا ہے جو کچھ ہے آپ ہم دو دن کے مہماں ہیں
خرد مندوں میں باہم میری تیری ہو نہیں ہوسکتی
غزل میں حالتِ دل نظم کر سکتا ہوں اے اکبر
مگر ان سے کہوں اتنی دلیری نہیں ہوسکتی

☆☆﴿۱۹۱﴾☆☆

تپش دل مجھے ہوتی ہے کہیں اس سے سوا
بیٹھے تو رہئے ابھی آپ نے دیکھا کیا ہے

☆☆﴿۱۹۲﴾☆☆

پسند آئی ہے عزلت میں ہوں اب اور گھر کا گوشہ ہے
خدا کی یاد منزل ہے قناعت اپنا توشہ ہے
طبیعت اوج پر ہے رزق مایحتاج ہے ملتا
ہمیں اک خوشۂ گندم یہاں پرویں کا خوشہ ہے

☆☆﴿۱۹۳﴾☆☆

اپنا رنگ ان سے ملانا چاہیے
آج کل پینا پلانا چاہئے

خوب وہ دکھلا رہے ہیں سبز باغ
ہم کو بھی کچھ گل کھلانا چاہیٔے
چال میں تلوار ہے دل کی گھڑی
توپ سے اس کو ملانا چاہیٔے
قولِ بابو ہے کہ جب بل پیش ہو
پیش حاکم بلبلانا چاہیٔے
کچھ نہ ہاتھ آئے مگر عزت تو ہے
ہاتھ اس مِس سے ملانا چاہیٔے

☆☆(۱۹۴)☆☆

دو عالم کی بنا کیا جانے کیا ہے
نشانِ ماسوا کیا جانے کیا ہے
مری نظروں میں ہے اللہ ہی اللہ
دلیل ماسوا کیا جانے کیا ہے
حقیقت پوچھ گل کی بلبلوں سے
بھلا اس کو صبا کیا جانے کی ہے
ہوا ہوں ان کا عاشق ہے یہ اک جرم
مگر اس کی سزا کیا جانے کیا ہے
مرے مقصود دل تو بس تمہیں ہو
تمہارا مدعا کیا جانے کیا ہے
لگاوٹ بھی ہے ساتھ اس کے جفا بھی

تمہارا مدعا کیا جانے کیا ہے
نہ اکبر سا کوئی ناداں نہ ذی ہوش
ہر اک شے کو کہا جانے کیا ہے

☆☆﴿۱۹۵﴾☆☆

ہم ان کی خوشی کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے
لیکن وہ جفاؤں کے سوا کچھ نہیں کرتے
وہ کہتے ہیں یہ ٹھیک ہے ہم کہتے ہیں جی ہاں
بالفعل تو ہم اس کے سوا کچھ نہیں کرتے
بت خانے سے کچھ فیض نہ ہوگا تمہیں اکبر
تم یاں بھی بجز یادِ خدا کچھ نہیں کرتے

☆☆﴿۱۹۶﴾☆☆

نہ بہتے اشک تو تاثیر میں سوا ہوتے
صدف میں رہتے یہ موتی تو بے بہا ہوتے
جنون عشق میں ہم کاش مبتلا ہوتے
خدا نے عقل جو دی تھی تو باخدا ہوتے
لیا نہ تخلیہ ان کا بوسہ چوک ہوئی
بلا سے مجھ پہ وہ ہوتے اگر خفا ہوتے
ستم کا حسن ہے کسے سب میں تیرے محو جمال
کبھی سنا نہیں میں نے ترا گلا ہوتے
نہ ہوتی گریہ حسینانِ چیں کی پابندی

تو ان کی چال سے فتنے بہت بپا ہوتے
سمجھ گئے کہ یہ اپنے حواس ہی میں نہیں
ہماری بات پہ اب وہ نہیں خفا ہوتے
یہ خاکسار بھی کچھ عرض حال کر لیتا
حضور اگر متوجہ ادھر ذرا ہوتے
یہ جس نے آنکھ دی ہے ہے وہ قابل دید
پھر اس کو چھوڑ کے کیا محو ما سوائے ہوتے
مجھ ایسے رند سے رکھتے ضرور ہی الفت
جناب شیخ اگر عاشق خدا ہوتے
دلوں کو الفتِ دنیا نے سخت ہی رکھا
ہوائے نفس میں غنچے شگفتہ کیا ہوتے
گناہ گاروں نے دیکھا جمال رحمت کو
کہاں نصیب یہ ہوتا جو بے خطا ہوتے
ہے زاہدوں کو جو وحشت جمال انساں سے
تو کاش دختر رزہی کے آشنا ہوتے
وہ ظلم تم میں ہے میرے سوا کوئی بندہ
تلاش سے بھی نہ پاتے جو تم خدا ہوتے
جناب حضرت ناصح کا واہ کیا کہنا
جو ایک بات نہ ہوتی تو اولیا ہوتے
مذاق عشق نہیں شیخ میں یہ ہے افسوس
یہ چاشنی بھی جو ہوتی تو کیا سے کیا ہوتے

یہ ان کی بے خبری ظلم سے بھی ہے افزوں
اب آرزو ہے کہ وہ مائل جفا ہوتے

کبھی یہ میں نے نہ چاہا کہ ہوں وہ وست مرے
امید کیا تھی کہ ہوتے تو بے ریا ہوتے

وضو سے ہوگئی جائز نماز یاروں کو
جوازِ عشق بھی ہوتا جو دل صفا ہوتے

تمہارے حسن کے بھی تذکرے ہیں شہروں میں
مرے سخن کے بھی چرچے ہیں جا بجا ہوتے

محل شکر ہیں اکبر یہ دُر فشاں نظمیں
ہر اک زبان کو یہ موتی نہیں عطا ہوتی

☆☆﴿۱۹۷﴾☆☆

ضروری کام نیچر کا جو ہے کرنا ہی پڑتا ہے
نہیں جی چاہتا مطلق مگر مرنا ہی پڑتا ہے

خدا کو ماننا ہی پڑتا ہے دنیا کو جب برتو
خیالِ مرگ سے انسان کو ڈرنا ہی پڑتا ہے

☆☆﴿۱۹۸﴾☆☆

آپ کے قصر دل آویز کا کہنا کیا ہے
مگر اکبر کو غرض کیا اسے رہنا کیا ہے

سانس لینے کو ذرا ٹھہرا ہوں میں دنیا میں
کیسا سامان اقامت مجھے رہنا کیا ہے

کہہ چکا اس قدر اور پھر وہی الجھن دل کی
کچھ سمجھ میں نہیں آتا مجھے کہنا کیا ہے
مسکرا کر وہ لگے کہنے کہ ذلت ذلت
جب یہ پوچھا کہ سوا رنج کے سہنا کیا ہے

☆☆﴿۱۹۹﴾☆☆

امید و بیم کے جھگڑوں سے آگاہی نہیں رکھتے
سبب یہ ہے کہ ہم کوئی تمنا ہی نہیں رکھتے
تجھے اے چرخ کیا مشکل ہے ہم کو مطمئن رکھنا
فقیر بے نواہیں شوکت شاہی نہیں رکھتے

☆☆﴿۲۰۰﴾☆☆

لب آشنائے دعا ہوں نہ ماسوا کے لیے
پکاریے جو خدا کو تو بس خدا کے لئے
مقام شوق میں اے دل وہ رنگ پیدا کر
نظر زبان بنے عرضِ مدعا کے لئے
سوائے مرگ نہیں کچھ علاج دردِ فراق
اجل کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہم دوا کے لئے
جو ہو سکے تو انھیں لاؤ بس میں اچھا ہوں
یہ اہتمام عبث ہے مری دوا کے لیے
جو آرزوئے اجل ہو تو دل کسی سے لگا
بہانہ چاہئے آخر کوئی قضا کے لیے

شب فراق میں آیا خیال زلف سیاہ
یہ اور طرہ ہوا گیسوئے بلا کے لیے
حسین ہونا ہی کافی ہے ظلم کرنے کو
تلاش عذر یہ کیوں ہے تمھیں جفا کے لیے
بتوں کے واسطے جاتا ہوں تو جانب دیر
سدھاریں شیخ ہی جی کعبہ کو خدا کے لئے

☆☆﴿۲۰۱﴾☆☆

جہاں جہاں صفت اس فخرِ انبیاء کے لئے
کہ عالم اس کے لیے اور وہ خدا کے لئے
طریقِ عشق میں دلِ خضر بن کے پچھتایا
سمجھ گیا کہ مصیبت ہے رہنما کے لئے
زبان و چشم بتاں کا نہ پوچھئے عالم
وہ شوخیوں کے لیے ہے یہ ہے حیا کے لیے
خراب دل کو جو اس نے کیا تو خوب کیا
بنا بھی تھا یہ اسی چشم فتنہ زا کے لیے

☆☆﴿۲۰۲﴾☆☆

مذہب کبھی سائنس کو سجدہ نہ کرے گا
انسان اڑیں بھی تو خدا ہو نہیں سکتے
از راہِ تعلق کوئی جوڑا کرے رشتہ
انگریز تو نیٹو کے چچا ہو نہیں سکتے

نیٹو نہیں ہو سکتے جو گورے تو ہے کیا غم
گورے بھی تو بندے سے خدا ہو نہیں سکتے
ہم ہوں جو کلکٹر تو وہ ہو جائیں کمشنر
ہم ان سے کبھی عہدہ برا ہو نہیں سکتے

☆☆﴿۲۰۳﴾☆☆

دو ہی دن میں رُخِ گل زرد ہوا جاتا ہے
چمن دہر سے دل سرد ہوا جاتا ہے
علم و تقویٰ پہ بڑا ناز تھا مجھ کو لیکن
آپ کے سامنے سب گرد ہوا جاتا ہے
ہو رہی ہے مری فریاد کی اُلٹی تاثیر
وہ تو کچھ اور بھی بے درد ہوا جاتا ہے

☆☆﴿۲۰۴﴾☆☆
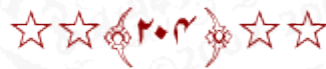
یہ بت جو دلکش ہیں آج یہ روح پر کل عذاب ہو گے
نہیں سمجھتے جو حضرتِ دل تو آپ اک دن خراب ہوں گے
ہمارے حالات کی حقیقت کسی پہ بھی منکشف نہ ہو گی
جو کوئی سوچے گا وہم ہوں گے جو کوئی دیکھے گا خواب ہوں گے
ڈنر کا مجھ کو نہیں ہے چسکا وگرنہ ہے کارڈ میں تو لکھا
شراب ہو گی کباب ہوں گے حضور عالی جناب ہوں گے
بگاڑ میں بھی بنے رہیں گے جو مستند طرز پر ہیں قائم
جو بے اصولی کے ہیں مقلد وہ ہو کے ابتر خراب ہوں گے

☆☆﴿۲۰۵﴾☆☆

خواہش زر میں نئ تہذیب کے پیرو بنے
وہ نہ ہاتھ آیا مگر گنج معائب ہوگئے
بوسے ہی تک ہم تو پہنچے تھے وہ تہذیب میں
کھائی وہ منہ کی کہ اب اس سے بھی تائب ہوگئے

☆☆﴿۲۰۶﴾☆☆

ہاں ہاں عدو بھی آپ کا طالب ضرور ہے
لیکن حضور فرق مراتب ضرور ہے
بنتے ہو میری جان تو آ بیٹھو گود میں
تم جانتے ہو رُوح کو قالب ضرور ہے

☆☆﴿۲۰۷﴾☆☆

دل کا قصور آپ کا طالب تو یہی ہے
میری نہ ہو تعزیر مناسب تو یہی ہے

☆☆﴿۲۰۸﴾☆☆

راتوں کو بتوں سے وہ لگاوٹ بھی چلی جائے
اور صبح کو وہ نعرہ یارب بھی نہ چھوٹے
کرتا ہے حقارت کی نظر پیر مغاں بھی
افسوس اگر ان سے شراب اب بھی نہ چھوٹے
قلعی بھی ریا کار کی کھلتی رہے اکبر
طعنوں سے مگر طرز مہذب بھی نہ چھوٹے

☆☆(۲۰۹)☆☆

معنی کو بھلا دیتی ہے صورت ہے تو یہ ہے
نیچر بھی سبق سیکھ لے زینت ہے تو یہ ہے
کمرے میں جو ہنستی ہوئی ئی مس رعنا
ٹیچر نے کہا علم کی آفت ہے تو یہ ہے
یہ بات تو اچھی ہے کہ الفت ہو مسوں سے
حور ان کو سمجھتے ہیں قیامت ہے تو یہ ہے
پیچیدہ مسائل کے لیے جاتے ہیں انگلینڈ
زلفوں میں الجھ آتے ہیں شامت ہے تو یہ ہے
پبلک میں ذرا ہاتھ ملا لیجئے مجھ سے
صاحب مرے ایمان کی قیمت ہے تو یہ ہے

☆☆(۲۱۰)☆☆

عبث ہر طاقت و دولت پہ تجھ کو رشک و حسرت ہے
نہ ہر طاقت میں نیکی ہے نہ ہر دولت میں راحت ہے
تعجب ہے مجھے ان شاعروں کے شور غوغا پر
کوئی پوچھے کہ تم کو کیا جو کوئی خوبصورت ہے
مجھے بے چین کرتا ہے نظارہ سنبل و گل کا
ادھر ہے پیچ گیسو کا ادھر عارض کی رنگت ہے
فنا کا دور جاری ہے مگر مرتے ہیں جینے پر
طلسم زندگانی بھی عجب اک راز فطرت ہے

☆☆﴿۲۱۱﴾☆☆

کون ایسا ہے جو مجھ پہ عنایت رکھے
صدوسی سال خدا تم کو سلامت رکھے

سچ تو یہ ہے کہ سلیقہ بھی ہے ہر کام میں شرط
بت کو چاہے تو برہمن کی طبیعت رکھے

نہ شریعت نہ طریقت نہ محبت نہ حیا
جس پر جو چاہے وہ اس عہد میں تہمت رکھے

آدمی کے لیے دنیا میں مصائب ہیں بہت
خوش نصیبی ہے جو وہ صبر کی عادت رکھے

کیا بتاؤں تمہیں اچھائی کی پہچان اکبر
بس وہی خوب ہے جو تم سے محبت رکھے

☆☆﴿۲۱۲﴾☆☆

میرے حواس عشق میں کیا کم ہیں منتشر
مجنوں کا نام ہوگیا قسمت کی بات ہے

دل جس کے ہاتھ میں ہو نہ اس پہ دسترس
بے شک یہ اہل دل پہ مصیبت کی بات ہے

پروانہ رینگتا رہے اور شمع جل بجھے
اس سے زیادہ کون سی ذلت کی بات ہے

مطلق نہیں محل عجب موت دہر میں
مجھ کو تو یہ حیات ہی حیرت کی بات ہے

ترچھی نظر سے آپ مجھے دیکھتے ہیں کیوں
دل کو یہ چھیڑنا ہی شرارت کی بات ہے
راضی تو ہوگئے ہیں وہ تاثیرِ عشق سے
موقع نکالنا سو یہ حکمت کی بات ہے

☆☆﴿۲۱۳﴾☆☆

تخلیہ بھی ہے ہوا سرد ہے اور رات بھی ہے
پھر بھی انکار مری جاں یہ کوئی بات بھی ہے
لطفِ ساقی ہو تو یہ وقت ہے مے نوشی کا
رحمتِ حق ہے گھٹا چھائی ہے برسات بھی ہے

☆☆﴿۲۱۴﴾☆☆

وہ بے خبر ہے غلغلہ کائنات سے
جس کی کہ لو لگی ہے فقط تیری ذات سے

☆☆﴿۲۱۵﴾☆☆

سن چکے آپ کہ پیش آنے تھے حالات ایسے
یہی باعث تھا کہ بے چین تھے ہم رات ایسے
میری غیبت کوئی کرتا تھا تو مجھ سے نہ کہو
تذکرے خوب نہیں وقت ملاقات ایسے
ان کو واپس کیا یہ کہہ کے کہ تائب ہوئے وہ
ہوتے جاتے ہیں ملازم مرے بدذات ایسے
دشمن دیں سے تمہیں ہوگی کچھ امید فلاح

ہم تو سنتے نہیں اقوال خرافات ایسے

اے دل اس ابروو مژگاں نظر سے دب جا

صلح لازم ہے جو ہوں جنگ کے آلات ایسے

بحث سے پھیر کے طاعت پہ کریں دل کو رجوع

پیر وہ ہیں کہ جو ہوں اہل کرامات ایسے

واہ اکبر یہ نکالا ہے عجب طرز سخن

حسن بندش تو یہ اور اس پہ خیالات ایسے

☆☆﴿۲۱۶﴾☆☆

کٹے ملت سے جو دیکھے گی دنیا ان کو عبرت سے

گرے پتے ہیں یہ بس سبز ہیں اپنی رطوبت سے

قیامت کر رہی ہے لعبتانِ مغربی اکبر

تھیٹر کو بڑھایا ہے انھیں حوروں نے جنت سے

مرا جس پارسی لیڈی پہ دل آیا ہے اے اکبر

جو سچ پوچھو تو حسنِ بمبئی ہے اس کی صورت سے

☆☆﴿۲۱۷﴾☆☆

نفع ہوتا ہے فقط خارجی علاج سے

واقف آپ ابھی نہیں عشق کے مزاج سے

دل ملیں تو کیا ملیں اہل قوم کے بہم

ایک آیا کعبہ سے ایک آیا لاج سے

☆☆﴿۲۱۸﴾☆☆

اکبر کچھ آ رہے ہو نظر بند بند سے

آخر ضرر ہوا تمہیں ناصح کی پند سے

☆☆﴿۲۱۹﴾☆☆

سرائے دہر تو ہے رہزنِ اجل کا مقام

یہاں بھی کیا کوئی دل آن کے ٹھہرتا ہے

☆☆﴿۲۲۰﴾☆☆

دل کو مرے تم ایک نظر دیکھ تو لیتے

ہوتے نہ خریدار مگر دیکھ تو لیتے

☆☆﴿۲۲۱﴾☆☆

رہ گئے اہلِ خرد دہر کے چکر میں پھنسے

وہی اچھے جو تری زلفِ معنبر میں پھنسے

☆☆﴿۲۲۲﴾☆☆

دل کو مرے فروغ تمہاری نظر سے ہے

بجلی بنا ہوا یہ اسی کے اثر سے ہے

☆☆﴿۲۲۳﴾☆☆

ہر طرف بننے بگڑنے کا یہاں اک دور ہے

چشمِ عبرت کے لیے دُنیا محلِ غور ہے

لالہ و گل اک طرف طاعون کا غل اک طرف

ہے جنوں یاروں کو لیکن رنگ ہی کچھ اور ہے

☆☆﴿۲۲۴﴾☆☆

بستاں بخور بنوش بزن کارِ دہر ہے
دل اس میں اہلِ دل جو لگائیں تو قہر ہے
بس ذکر ہی میں بادۂ گلگوں کے ہے مزہ
چکھنا نہ ہم نشیں اسے واللہ زہر ہے

☆☆﴿۲۲۵﴾☆☆

ملک میں مجھ کو ذلیل و خوار رہنے دیجئے
آپ اپنی عزت دربار رہنے دیجئے
دل ہی دل میں باہمی اقرار رہنے دیجئے
بس خدا ہی کو گواہ اے یار رہنے دیجئے
اتقا کا آج کل اظہار رہنے دیجئے
پیجئے قبلہ یہ استغفار رہنے دیجئے
خوب فرمایا کہ اپنا پیار رہنے دیجئے
آپ ہی یہ غمزہ و انکار رہنے دیجئے
دیکھئے گا لطف کیا کیا گل کھلیں گے شوق سے
مجھ کو آپ اپنے گلے کا ہار رہنے دیجئے
چاندنی برسات کی نکھری ہے چلتی ہے نسیم
آج تو لِلّٰہ یہ انکار رہنے دیجئے
چشم بددور آپ کی نظریں ہیں خود موجِ شراب

بس مجھے بے مے پئے سرشار رہنے دیجئے

کیجئے اپنی نگاہ فتنہ افزا کا علاج

نرگس بیمار کو بیمار رہنے دیجئے

کس بلاغت سے کہا اس نے کہ رکھئے حد میں شوق

مدعا کو قابل اظہار رہنے دیجئے

لن ترانی خود شرابِ معرفت ہے اے کلیم

آرزوئے شربت دیدار رہنے دیجئے

چھوڑنے کا میں نہیں اب آپ کو اے جان جاں

ہے اگر مجھ پر خدا کی مار رہنے دیجئے

کیجئے ثابت خوش اخلاقی سے اپنی خوبیاں

یہ نمود جبہ و دستار رہنے دیجئے

ظالمانہ مشوروں میں میں نہیں ہوں گا شریک

غیر ہی کو محرمِ اسرار رہنے دیجئے

کھل گیا مجھ پر بہت ہیں آپ میرے خیر خواہ

خیر چندہ لیجئے طومار رہنے دیجئے

کیجئے رشوت ستانی سے ذرا پرہیز آپ

خیر خواہی کا یہ سب اظہار رہنے دیجئے

مل کے باہم کیجئے اغیار سے بحث وجدال

بے نتیجہ باہمی تکرار رہنے دیجئے

ٹیمز میں ممکن نہیں نظارہ موجِ فرات

ایسی خواہش کو سمندر پار رہنے دیجئے

ہمکنار اس بحرِ خوبی سے نہ ہوں گے اکبر آپ
ایسے منصوبے سمندر پار رہنے دیجئے

☆☆﴿۲۲۶﴾☆☆

سو رنگ تصور میں ہم اے جان در آئے
ہر رنگ میں تم آفتِ ایماں نظر آئے

اے خضر مری راہ تو بس راہِ جنوں ہے
منزل کو غرض ہو تو خود اس راہ پر آئے

دل جس طرف آیا ہے وہ معلوم ہے مجھ کو
ناصحِ سے تو پوچھو کہ یہ حضرت کدھر آئے

یہ حسن بتوں کا یہ جنوں خیز نگاہیں
پتھر کا بھی دل ہو تو ادھر لوٹ کر آئے

بے رونقی انجمنِ عشق نہ چاہی
خالی جو ملی کوئی جگہ آہ بھر آئے

عکس آپ کا تھا طالب گوہر پئے تزئیں
پڑتے ہی مری آنکھ میں آنسو بھی بھر آئے

☆☆﴿۲۲۷﴾☆☆

طلب ہے حق کی تو مل آکے ہم سے مستوں سے
نہیں ہے میکدہ خالی خدا پرستوں سے

☆☆﴿۲۲۸﴾☆☆

خطا معاف مروں گا میں حور ہی کے لیے

مسیں بھی خوب ہیں لیکن حضور ہی کے لئے

کوئی گناہ ہو مدِ نظر معاذ اللہ

شراب پیتا ہوں میں بس سرور ہی کے لیے

خلاف شرع کوئی قصد ہو معاذ اللہ

شراب پیتا ہوں میں بس سرور کے لیے

☆☆﴿۲۲۹﴾☆☆

بانکی وہی ادا بھی ہے ترچھی وہی نظر بھی ہے

جان پہ میری بن گئی آپ کو کچھ خبر بھی ہے

ظلم کی اک ادا بھی ہے لطف کی اک نظر بھی ہے

حسن کا اقتضا بھی ہے عشق کا کچھ اثر بھی ہے

دل پہ مرے ہیں ان کے دانت میں ہوں لب ان کو چوستا

دولتِ وصلِ یار میں لعل بھی ہے گُہر بھی ہے

شرط لگائی آپ نے میری امید کم ہوئی

وعدہ پہ کیا خوشی کروں اس میں جب اک مگر بھی ہے

☆☆﴿۲۳۰﴾☆☆

دنیا میں بے خبر ہے جو پروردگار سے

شاید ہے زندہ اپنے ہی وہ اختیار سے

اے صانع تری قدرت کے میں نثار

کیاص ورتیں بنائی ہیں مشتِ غبار سے

☆☆﴿۲۳۱﴾☆☆

تری باتوں سے گو دل میں ملال اے یار آتا ہے
مگر جب دیکھتا ہوں تیری صورت پیار آتا ہے
جو چلتا ہے دلِ سوزاں کا انجن راہِ الفت میں
خبر دینے کو فوراً آنسوؤں کا تار آتا ہے
جو راہِ عشق میں دل پر مصیبت کوئی پڑتی ہے
خبر دینے کو فوراً آنسوؤں کا تار آتا ہے

☆☆﴿۲۳۲﴾☆☆

دل ہو خراب دین پہ جو کچھ اثر پڑے
اب کارِ عاشقی تو بہر کیف کر پڑے
عشق بتاں کا دین پہ جو کچھ اثر پڑے
اب تو بناہنا ہے جب اک کام کر پڑے
مذہب چھڑایا عشوۂ دنیا نے شیخ سے
دیکھی جو ریل اونٹ سے آخر اُتر پڑے
بے تابیاں نصیب میں تھیں ورنہ ہم نشیں
یہ کیا ضرور تھا کہ انھیں پر نظر پڑے
بہتر یہی ہے قصد ادھر کا کریں نہ وہ
ایسا نہ ہو کہ راہ میں دشمن کا گھر پڑے
ہم چاہتے ہیں میل وجود و عدم میں ہو

ممکن تو ہے جو بیچ میں ان کی کمر پڑے

دانا وہی ہے دل جو کرے آپ کا خیال

بنیا وہی نظر ہے کہ جو آپ پر پڑے

ہونی چاہیے تھی محبت مگر ہوئی

پڑنا نہ چاہئے تھا غضب میں مگر پڑے

شیطان کی نہ مان جو راحت نصیب ہو

اللہ کو پکار مصیبت اگر پڑے

اے شیخ ان بتوں کی یہ چالاکیاں تو دیکھ

نکلے اگر حرم سے تو اکبر کے گھر پڑے

☆☆﴿۲۳۳﴾☆☆

اِدھر ہماری تو یہ لگاوٹ حضور ایسے حضور ایسے

ادھر یہ فرما کے مسکرانا کہ ہوں گے کم اہلِ زور ایسے

خدا کی ہستی میں شبہ کرنا اور اپنی ہستی کو مان لینا

پھر اس پہ طرہ یہ ادعا کا کہ ہم ہیں اہلِ شعور ایسے

ہمیں نے چاہا نہ قرب ان کا فریب دنیائے دوں میں آ کر

وگرنہ ایمان کی جو پوچھو نہ تھے وہ کچھ ہم سے دور ایسے

☆☆﴿۲۳۴﴾☆☆

ہمارے مصحف ایماں کا اول ہے نہ آخر ہے

خدا کی شان آیت ہے مذاق دل مفسر ہے

☆☆﴿۲۳۵﴾☆☆

قرآن چھوڑ بھاگے شیطان کے مقابل
اس معرکے میں اکثر احباب ہیز نکلے
بوڑھے ہنسی کو اپنی ثابت کریں تو کیوں کر
جب دانت ہی نہیں ہے پھر کون چیز نکلے
مجنوں نے نام پایا اور کوہ کن بھی اُبھرا
اس مدرسے کے لڑکے سب خوش تمیز نکلے

☆☆﴿۲۳۶﴾☆☆

جو قانع ہے کسی دن اس کی قسمت لڑ ہی جاتی ہے
جو اہلِ حرص ہیں ان پر مصیبت پڑ ہی جاتی ہے
حسینان جہاں سے آنکھ اپنی لڑ ہی جاتی ہے
دل آ ہی جاتا ہے آخر مصیبت پڑ ہی جاتی ہے
جوانی میں ہلاکت دل کی ہے اس کا دبا رکھنا
کہ ایسی چیز دب کر گرمیوں میں سڑ ہی جاتی ہے
گلستان میں گلِ رنگیں کو زینت کی ضرورت کیا
مگر اِس لعل پر الماس شبنم جڑ ہی جاتی ہے

☆☆﴿۲۳۷﴾☆☆

ہے قوم جسم سلطنت اس میں ہے مثل رُوح

جب یہ نہیں تو قوم نہیں بلکہ لاش ہے

سعی شغال دگرگ سے جنبش ہوئی اگر

نافہم سمجھے قوم میں خود انتعاش ہے

البتہ زندگانی شخصی کا ہے وجود

قانون میں ہر اک کے لیے زندہ باش ہے

پیانہائے ساختۂ شاہِ وقت پر

محدود طالبین کی فکر معاش ہے

بے علم مذہبی کے ہیں اخلاق نادرست

اس کی خرابیوں سے تو دل پاش پاش ہے

کچھ خاک میں ملیں گے تو کچھ ہوں گے جز وغیر

یہ مسئلہ صحیح ہے گو دل خراش ہے

اپنی یہ احتیاط کہ بوسے پر اکتفا

اس پر بھی عتاب کہ تو بدمعاش ہے

☆☆﴿۲۳۸﴾☆☆

اپنے برتاؤ سے گو وہ مجھے ناخوش رکھے

ہے دعا میری یہی اس کو خدا خوش رکھے

منہ چھپ لیتے ہیں زلفوں سے میں گوہوں ناخوش

ہنس کے کہتے ہیں تجھے میری بلا خوش رکھے

واہ کس چال سے غنچوں کو ہنسایا تو نے

لطف باری تجھے اے بادِ صبا خوش رکھے

ان بتوں کو نہیں کچھ صدق و صفا سے مطلب

بس خوشامد سے کوئی ان کو ذرا خوش رکھے

باغ و صحرا میں بھی بے لطف رہا کرتا ہوں

رنج دے چرخ تو کیا آب و ہوا خوش رکھے

اس مس شوخ سے راحت نہ ملے گی مجھ کو

عمر بھر خیر وہ اک شب تو بھلا خوش رکھے

آپ فرماتے ہیں اکبر سے مجھے خوش رکھو

خود جو مغموم ہو وہ اور کو کیا خوش رکھے

☆☆﴿۲۳۹﴾☆☆

مثلِ بلبل زمزموں کا خود یہاں اک رنگ ہے

ارغنوں اس انجمن میں خارج از آہنگ ہے

ہر خیال اپنا ہے یاں اک مطربِ شیریں نوا

ہر نفس سینے میں اک موجِ صدائے چنگ ہے

ہر تصور ہے مرا عکس جمال روئے دوست

میرا ہر مجموعہ وہم اک گل خوش رنگ ہے

لوح دل ہر جنبش مژگاں سے ہے معنی پذیر

ہر رگ اندیشہ نقشِ خامۂ ارژنگ ہے

ہر حباب بحرِ جوش طبع ہے اک آسماں

دشتِ دل کا ذرہ ذرہ کوہ کا ہم سنگ ہے
عکس تیرا پڑکے اس میں ہوگیا پاکیزہ تر
اے بت کافر مری آنکھوں میں فیض گنگ ہے
نظم اکبر سے بلاغت سیکھ لیں اربابِ عشق
اصطلاحات جنوں میں بے بہا فرہنگ ہے

☆☆﴿۲۴۰﴾☆☆

داخل ہوئے حرم میں بتوں کو نکال کے
اسلام کو قبول کیا دیکھ بھال کے

☆☆﴿۲۴۱﴾☆☆

الجھا نہ مرے آج کا دامن کبھی کل سے
مانگی نہ مرے دل نے مدد طولِ امل سے
ان کی نگہ مست ہے لبریز معانی
ملتی ہوء تاثیر میں حافظ کی غزل سے
ادراک نے آنکھیں شب اوہام میں کھولیں
واقف نہ ہو روشنی صبح ازل سے
قرآن ہے شاہد کہ خدا حسن سے خوش ہے
کس حسن سے یہ بھی تو سنو حسن عمل سے
حکم آیا خموشی کا تو بس حشر تلک چپ
عظمت ترے پیغام کی ظاہر ہے اجل سے
درجہ متحیر کا ہے بے خود سے فروتر

ہے روح کو امید ترقی کی اجل سے
بحث کہن و نو نہیں اکبر
جو ذرہ ہے موجود ہے وہ روز ازل سے
ہو دعوئے توحید مبارک تمہیں اکبر
ثابت بھی کرو اس کو مگر طرز عمل سے

☆☆﴿۲۴۲﴾☆☆

مذہب ہی سے حفاظت قومی ہے اے عزیز
نادان ہے کواڑ ہٹائے جو چول سے
اتنا ہی آدمی میں سمجھئے کمالِ فہم
جتنا کہ احتراز کرے وہ فضول سے
جو کام آئے میرے کروں اس طرف کو رخ
تخصیص سرو سے ہے نہ وحشت ببول سے
ہرگز اس انجمن کو نہ سمجھو ممدِ قوم
خالی ملے جو ذکرِ خدا اور رسُول ﷺ سے

☆☆﴿۲۴۳﴾☆☆

نئی تہذیب میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے
مگر یونہیں کہ گویا آب زمزم مئے میں داخل ہے
کہاں تک داد دوں تیری بلاغت کی میں اے اکبر
یہ تیرا ایک مطلع لاکھ مضمونوں کا حاصل ہے

☆☆﴿۲۴۴﴾☆☆

دین و ملت کی ترقی کا خیال اچھا ہے
اصل مضبوط ہو جس کی وہ نہال اچھا ہے
بخدا ہند کے پرزے بھی غضب ڈھاتے ہیں
یہ غلط ہے کہ ولایت ہی کا مال اچھا ہے
گھر کے خط میں ہے کہ کل ہوگیا چہلم اس کا
پائنیر لکھتا ہے بیمار کا حال اچھا ہے

☆☆﴿۲۴۵﴾☆☆

طائرِ رنگ اُڑنے کو پَر کھولے ہے
آشیاں ایسے گلستاں میں نہ بلبل باندھے
ہوئے مطلوب جسے زادِ رہِ منزل فقر
گرہ صبر میں وہ نقد توکل باندھے
نظر آئے شب تاریک میں جگنو کی چمک
وہ تعویذ طلائی تہ کا کل باندھے

☆☆﴿۲۴۶﴾☆☆

کبھی ہے صبحِ عید اس میں کبھی شامِ محرم ہے
یہ عالم چشم بینا کے لیے عبرت کا عالم ہے
دوا ہے کالج اور کونسل سو اس کی ہے فراوانی
غذا ہے راحتِ دل اور دولت وہ بہت کم ہے

☆☆﴿۲۴۷﴾☆☆

تمہاری بخشوں سے میرے شبہے خدا میں کم نہ ہوتے

مگر یہ بات آ گئی سمجھ میں خدا نہ ہوتا تو ہم نہ ہوتے

یہ حسن ہی سے ہے عشق پیدا یہ عشق ہی سے مصیبتیں ہیں

جو یہ نہ ہوتا تو دل نہ ہوتا جو دل نہ ہوتا تو غم نہ ہوتے

تمہارے عشوے تمہارے غمزے نگاہِ ساقی کے ہیں مؤید

وگرنہ تقویٰ کے ٹوٹ جانے کے اتنے ساماں بہم نہ ہوتے

کہا سکندر نے یہ بحسرت جب آ گیا اس کا وقتِ رحلت

کہ سہل تر ہوتی نزع ہم پر جو محو جاہ و حشم نہ ہوتے

بلندیاں ہوتی ہیں مخالف جو پستیوں پر ہو میل دل کا

زمیں کے فتنوں میں گر نہ پھنستے فلک کے جور و ستم نہ ہوتے

مذاقِ فطرت میں بس نہ جاتے جو قامت گیسوئے حسیناں

یہ راستی سرو میں نہ ہوتی یہ سنبل تر میں خم نہ ہوتے

تری ترقی مرا تنزل تری جفائیں مرا تحمل

فلک کی گردش کا لطف کیا تھا جو تو نہ ہوتا جو ہم نہ ہوتے

☆☆﴿۲۴۸﴾☆☆

یہ موجودہ طریقے راہی ملک عدم ہوں گے

نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہوں گے

نئے عنوان سے زینت دکھائیں گے حسیں اپنی

نہ ایسا پیچ زلفوں میں نہ گیسو میں یہ خم ہوں گے

نہ خاتونوں میں رہ جائے گی پردے کی پابندی
نہ گھونگھٹ اس طرح سے حاجب روئے صنم ہوں گے
بدل جائے گا انداز طبائع دَور گردوں سے
نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسباب غم ہوں گے
نہ پیدا ہوگی خط نسخ سے شانِ ادب آگیں
نہ نستعلیق حرف اِس طور سے زیب رقم ہوں گے
خبر دیتی ہے تحریکِ ہوا تبدیل موسم کی
کھلیں گے اور ہی گل زمزمے بلبل کے کم ہوں گے
عقائد پر قیامت آئے گی ترمیم ملت سے
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہوں گے
بہت ہوں گے مغنی نغمۂ تقلید یورپ کے
مگر بے جوڑ ہوں گے اس لیے بے تال دسم ہوں گے
ہماری اصطلاحوں سے زباں نا آشنا ہوگی
لغاتِ مغربی بازار کی بھاکا سے صنم ہوں گے
بدل جائے گا معیارِ شرافت چشم دنیا میں
زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم ہوں گے
گذشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائیں گے
کتابوں ہی میں دفن افسانہ جاہ و حشم ہوں گے
کسی کو اس تغیر کا نہ حس ہوگا نہ غم ہوگا
ہوئے جس ساز سے پیدا اسی کے زیرو بم ہوں گے
تمہیں اس انقلاب دہر کا کیا غم ہے اے اکبر

بہت نزدیک ہیں وہ دن کہ تم ہو گے نہ ہم ہوں گے

☆☆﴿۲۴۹﴾☆☆

موت سے وحشت بشر کا اک خیال خام ہے

اصل فطرت میں فقط آرام ہی آرام ہے

اس تجارت گاہِ دنیا کا کہوں کیا تم سے حال

کارخانے سب خدا کے ہیں ہمارا نام ہے

☆☆﴿۲۵۰﴾☆☆

پیش نظر صنم ہے بس عاشقی کا غم ہے

دنیا کی فکر کم ہے اللہ کا کرم ہے

یہ گیسوئے معنبر یہ چشم سحر آگیں

کیا پوچھتے ہو صاحب اندھیرے ہے ستم ہے

سید کی روشنی کو اللہ رکھے قائم

بتی بہت ہے موٹی روغن بہت ہی کم ہے

کیا خوب پڑھ رہے تھے مصرعے مہنت صاحب

بھنڈار تو ہے خالی بھاری مگر بھرم ہے

☆☆﴿۲۵۱﴾☆☆

یہی خوشیاں رہیں گی دہر میں ایسے ہی غم ہوں گے

مگر اک وقت آئے گا نہ تم ہو گے نہ ہم ہوں گے

امیدیں ٹوٹتی ہیں تو بہت صدمہ پہنچتا ہے

جو امیدیں کرے گا کم اسے صدمے بھی کم ہوں گے

☆☆﴿۲۵۲﴾☆☆

اسباب انتشار و جنوں مجھ سے چھن گئے
مطلب یہ ہے کہ عشق و جوانی کے دن گئے
جانے کی اس گلی میں قسم کھائی تھی مگر
مچلا یہ دل کہ بن نہ پڑی مجھ سے ہن گئے

☆☆﴿۲۵۳﴾☆☆

انداز قیامت کے ہیں اے جان تمہارے
سو دل ہوں تو سَو دل سے ہوں قربان تمہارے
ایمان ہو یا کفر ہو سچ بات تو یہ ہے
اسلام تمہارا ہے مسلمان تمہارے

☆☆﴿۲۵۴﴾☆☆

اس میں عکس آپ کا اتاریں گے
دل کو اپنے یونہیں سنواریں گے
بحث میں مولوی نہ ہاریں گے
جان ہاریں گے جی نہ ہاریں گے
آپ ناحق پہ اور ہم حق پر
آپ سے ہم کبھی نہ ہاریں گے
ہم سے کرتی ہے یہ بہت غمزے
ہم بھی دنیا پہ لات ماریں گے
رزقِ مقسوم ہی ملے گا اسے

کوئی دنیا میں دوڑے یا رینگے
عشق کہتا ہے لطف ہوں گے بڑے
ہجر کہتا ہے جان ماریں گے
لیجئے جان ہے یہی جو خوشی
کیجئے ظلم دم نہ ماریں گے
دل کی افسردگی نہ جائے گی
ہاں وہ چاہیں گے تو ابھاریں گے
مبتلائے بلا تو ہوں غافل
یہ بھی اللہ کو پکاریں گے
لائے بھی تو خدا کہیں وہ گھڑی
کہتے ہیں تجھ کو خوب ماریں گے
دل نہ دوں گا میں آپ کو ہرگز
مفت میں آپ جان ماریں گے
مبطئ قوم میں رہا کیا ہے
صرف شیخی ہی اب بگھاریں گے
پند اکبر کو دیں گے کیا ناصح
گل کو کیا باغباں سنواریں گے

☆☆﴿۲۵۵﴾☆☆

ضد ہے انھیں پورا مرا ارماں نہ کریں گے
منہ سے جو نہیں نکلی ہے اب ہاں نہ کریں گے

کیوں زلف کا بوسہ مجھے لینے نہیں دیتے
کہتے ہیں کہ واللہ پریشاں نہ کریں گے
ہے ذہن میں اک بات تمہارے متعلق
خلوت میں جو پوچھو گے تو پنہاں نہ کریں گے
واعظ تو بتاتے ہیں مسلمان کو کافر
افسوس یہ کافر کو مسلمان نہ کریں گے
کیوں شکر گزاری کا مجھے شوق ہے اتنا
سنتا ہوں وہ مجھ پر کوئی احساں نہ کریں گے
دیوانہ نہ سمجھے ہمیں وہ سمجھے شرابی
اب چاک کبھی جیب و گریباں نہ کریں گے
وہ جانتے ہیں غیر مرے گھر میں ہے مہماں
آئیں گے تو مجھ پر کوئی احساں نہ کریں گے

☆☆﴿۲۵۶﴾☆☆

اہلِ غرور و حرص کو کیا علم سے شرف
تا چرخ بھی پہنچ کے وہ شیطان ہی رہے
اٹھی نگاہ دیر میں لیکن جھکا نہ سر
پیشِ صنم بھی ہم تو مسلمان ہی رہے

☆☆﴿۲۵۷﴾☆☆

بتِ ستمگر کی کچھ نہ پوچھو حسین بھی ہے ذہین بھی ہے
نہیں ہے دِل پہ صرف آفت یہاں تو خطرے میں دین بھی ہے

اگرچہ مغرب سے سازِ دل ہے مرید آہنگِ مشرقی ہوں
اگر پیانو ہے انجمن میں محلِ خلوت میں بین بھی ہے

رعایت لعلِ لب سے میں نے کہا اسے مالک بدخشاں
تو بولا تیوری چڑھا کے دیکھو جبیں کے قبضہ میں چین بھی ہے

ہمارے جھگڑوں کی کچھ نہ پوچھو تمام دنیا ہے اور ہم ہیں
کہ جیب میں زر ہے گھر میں زن ہے خراج پر کچھ زمین بھی ہے

ہمارا خنجر بھی بدنما ہے اور ان کی سوئی بھی وہ آفت
کہ صاف بھی ہے چمک بھی رکھتی ہے گول بھی ہے مہین بھی ہے

دعا کو بھی وہ کبھی ہے اٹھتا اسے ہے دن رات صرف چکر
خدا کی قدرت کے کارخانے میں ہاتھ بھی ہے مشین بھی ہے

☆☆ ﴿۲۵۸﴾ ☆☆

ہے وہم نقش ہستی ہر چند دل نشیں ہے
دیکھو اسے تو سب کچھ سوچو تو کچھ نہیں ہے

دیکھا نہیں کسی نے اس یارِ نازنین کو
لیکن سنا یہی ہے بے انتہا حسیں ہے

روحانیت کے بدلے آنکھوں میں خاک ہے اب
اس میں ''وہی وہی'' تھا اس میں ''ہمیں ہمیں'' ہے

تصدیق سے قریں ہو کیوں کر ترا تصور
اک لفظ بے صدا ہے اک نقش بے نگیں ہے

☆☆﴿۲۵۹﴾☆☆

کھڑے ہیں یار ششدر حیرت و عبرت کا مضمون ہے
نہ جنگل ہے نہ ناقہ نہ لیلا ہے نہ مجنوں ہے
وہ رنگ بزم اکبر اب کہاں بہتر اٹھ جاؤ
یہی بس ایک تدبیر سکون جانِ محزوں ہے

☆☆﴿۲۶۰﴾☆☆

فتنہ اُٹھے کوئی یا گھات میں دشمن بیٹھے
کارِ الفت پہ تو اب حضرتِ دل ٹھن بیٹھے
کیوں نہ اس سے مرا دل اے بُت بدظن بیٹھے
ہم کھڑے بھی نہ رہیں بزم میں دشمن بیٹھے
بزم میں وہ جو دبا کر مرا دامن بیٹھے
اُٹھ گئے رشک سے پھر پاس نہ دشمن بیٹھے
شیخ کعبہ میں کلیسا میں برہمن بیٹھے
ہم تو کوچہ میں ترے مار کے آسن بیٹھے
شوخیاں شوق سے کر مجھ کو بھی لطف آتا ہے
سچ کہا تو نے کہ نچلا مرا دشمن بیٹھے
سونے دولت نظر آئی نہ جو راہِ اعزاز
مسندِ صبر و توکل ہی پہ ہم تن بیٹھے
نظر اُٹھی اٹھائے گئے نظروں سے گرے
غلطی کی ترے پاس اے بت بدظن بیٹھے

ہوں وہ رِند اگر حشر میں ملزم ٹھہروں
فیصلے کے لیے حوروں کا کمیشن بیٹھے

انقلاب روشِ چرخ کو دیکھ اے اکبر
کل جو تھے دوست مرے آج عدو بن بیٹھے

ہند سے آپ کو ہجرت ہو مبارک اکبر
ہم تو گنگا ہی پہ اب مارے کے آسن بیٹھے

☆☆﴿۲۶۱﴾☆☆

کیا ملا عرض آن داں کرکے
چل دِیے وہ چناں چنیں کرکے

فائدہ کیا کہ پھر کہوں ان سے
کرچکے ہاں وہ اب نہیں کرکے

فتنے مسجد میں اُٹھے ہیں اکبر
دَیر میں بیٹھ ترک دیں کرکے

☆☆﴿۲۶۲﴾☆☆

وہ ہوا نہ رہی وہ چمن نہ رہا وہ گلی نہ رہی وہ حسین نہ رہے
وہ فلک نہ رہا وہ سماں نہ رہا وہ مکاں نہ رہے وہ مکیں نہ رہے

وہ گلوں میں گلوں کی سی بو نہ رہی وہ عزیزوں میں لطف کی خو نہ رہی
وہ حسینوں میں رنگ وفا نہ رہا کہیں اور کی کیا وہ ہمیں نہ رہے

نہ وہ آن رہی نہ اُمنگ رہی نہ وہ رندی و زہد کی جنگ رہی
سوئے قبلہ نگاہوں کے رُخ نہ رہے درِ دَیر پہ نقشِ جبیں نہ رہے

نہ وہ جام رہے نہ وہ مست رہے نہ فدائی عہدِ الست رہے
وہ طریقہ کار جہاں نہ رہا وہ مشاغلِ رونقِ دیں نہ رہے
ہمیں لاکھ زمانہ لبھائے تو کیا نئے رنگ جو چرخ دکھائے تو کیا
یہ محال ہے اہلِ وفا کے لیے غم ملت و الفتِ دیں نہ رہے
ترے کوچۂ زلف میں دل ہے مرا اب اسے میں سمجھتا ہوں دام بلا
یہ عجیب ستم ہے عجیب جفا کہ یہاں نہ رہے تو کہیں نہ رہے
یہ تمہارے ہی دم سے ہے بزم طرب ابھی جاؤ نہ تم نہ کرو یہ غضب
کوئی بیٹھ کے لطف اُٹھائے گا کیا کہ جو رونق بزم تمہیں نہ رہے
جو تھیں چشمِ فلک کی بھی نُور نظر وہی جن پہ نثار تھے شمس و قمر
سو اب ایسی مٹی ہیں وہ انجمنیں کہ نشان بھی ان کے کہیں نہ رہے
وہی صورتیں رہ گئیں پیش نظر جو زمانہ کو پھیریں اِدھر سے اُدھر
مگر ایسے جمال جہاں آرا جو تھے رونق رُوئے زمیں نہ رہے
غم و رنج میں اکبر اگر ہے گھرا تو سمجھ لے کہ رنج کو بھی ہے فنا
کسی شے کو نہیں ہے جہاں میں بقا وہ زیادہ ملول و حزیں نہ رہے

☆☆﴿۲۶۳﴾☆☆

پراگندہ بہت ہے دل مرا دنیا کے دھندوں سے
چھڑا دے مجھ کو یارب نوکری کے سخت پھندوں سے
غلامانہ طریقوں پر مجھے مجبور کرتے ہیں
خدایا بے نیازی دے مجھے ان خود پسندوں سے
کباب آیا تو کیا جب دِل ہوا جل کر کباب اپنا

مجھے نانِ جویں بہتر ہے بس ایسے پسندوں سے

یہ خواہش ہے کہ ذکرِ حق سے دل تازہ رہے ہر دم

خداوند ملا دے مجھ کو اپنے نیک بندوں سے

مسلمانوں کی خوش حالی کے بے شک دھن ہے سید کو

مگر یہ کام نکلے گا نہ لکچر سے نہ چندوں سے

درستی تخت و عزت کی کہاں اب کیل کانٹوں میں

توقع شہسواری کی نہ رکھو نعل بندوں سے

کجا وہ گیسوئے مشکیں کجا یہ ڈھیلی اینچپیں

دلِ وحشی اکبر پھنس چکا ایسی کمندوں سے

☆☆﴿۲۶۴﴾☆☆

ترچھی نظر سے کیجئے عشاق کا شکار

کیا احتیاج آپ کو تیر و کماں کی ہے

☆☆﴿۲۶۵﴾☆☆

ڈیَر فرنڈ نہ کہیے جنابِ من تو ہے

حضور مجھ سے کوئی صورتِ سخن تو ہے

جو زر نہیں ہے نہ ہو دولتِ سخن تو ہے

نہیں جو بنگ تو کیا غم مے کہن تو ہے

رسائی اپنی ہے ان تک نہیں ہے غیر کو دخل

پھر اپنا اپنا طریقہ تو ہے چلن تو ہے

سینے سے لگائیں تمھیں ارمان یہی ہے
جینے کا مزا ہے تو مری جان یہی ہے

صبر اس لیے اچھا ہے کہ آئندہ ہے امید
موت اس لیے بہتر ہے کہ آسان یہی ہے

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے

گیسو کے شریک اور بھی تھے قتل میں میرے
کیا وجہ ہے اس کی کہ پریشان یہی ہے

دل تیری محبت میں دو عالم کو بھلا دے
مذہب ہے یہی اور مرا ایمان یہی ہے

اس بت نے کہا بوسہ بے اذن پہ ہنس کر
بس دیکھ لیا آپ کا ایمان یہی ہے

کرتے ہیں بتدریج وہ ظلموں میں اضافہ
مجھ پر اگر ان کا ہے کچھ احسان یہی ہے

ہم فلسفہ کو کہتے ہیں گمراہی کا باعث
وہ پیٹ دکھاتے ہیں کہ شیطان یہی ہے

اکبر کو دعا دیتے ہیں احباب یہ کہہ کر
اب اپنی جماعت میں مسلمان یہی ہے

☆☆﴿۲٦٧﴾☆☆

سدھاریں شیخ کو کعبہ کو ہم انگلستان دیکھیں گے
وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے

جوانوں کو ذرا پروا نہیں بے اعتدالی کی
بڑھاپے میں نتیجے اس کے یہ نادان دیکھیں گے

حسینانِ عدوئے اتقا کا سامنا ہوگا
میں دیکھوں گا انھیں اور وہ مرا ایمان دیکھیں گے

تری دیوانگی پر رحم آتا ہے ہمیں اکبر
کوئی دن وہ بھی ہوگا ہم تجھے انسان دیکھیں گے

☆☆﴿۲٦٨﴾☆☆

عقل ہے ایماں ہے دل ہے جان ہے
لیجئے سب آپ پر قربان ہے

خوبی مذہب دمِ آخر کھلی
نزع میں مونس فقط ایمان ہے

مل کے یاروں سے ہوا شوق گناہ
آدمی کا آدمی شیطان ہے

کیا مجھے کرتے ہو زندوں میں شمار
سانس لیتا ہوں بس اتنی جان ہے

خود بنا ہے کیا وہ بت اتنا حسین
لطفِ فطرت ہے خدا کی شان ہے

سعی بازو سے کرے جو کسبِ رزق
بس وہی اللہ کا مہمان ہے

لطفِ ساقی سے نہ چھلکے جامِ دل
ظرف عالی کی یہی پہچان ہے

دل جسے سمجھا ہے سامان وقار
غور سے دیکھو تو اک طوفان ہے

بے وقوفی ہے تعجب موت پر
عقل تو جینے ہی پر حیران ہے

عالم ہستی پہ حیرت ہے مجھے
کس لیے آخر یہ سب سامان ہے

یا مصیبت امر معنی خیز ہے
یا یہ نیچر خود بہت نادان ہے

اس کی نادانی مگر مانے گا کون
ذرہ ذرہ عاقلی کی جان ہے

پھر اٹھی ہے آپ کی تیغِ ستم
مجھ میں کیا باقی ابھی کچھ جان ہے

حکم خاموشی ہے اور میری زباں
آپ کی باتیں ہیں میرا کان ہے

☆☆﴿۲۶۹﴾☆☆

لطف تھا جن سے نظارے کا حسیں وہ نہ رہے
جن سے رونق تھی مکانوں کی مکیں وہ نہ رہے
میں جو روتا ہوں کہ افسوس زمانہ بدلا
مجھ پہ ہنستا ہے زمانہ کہ تمھیں وہ نہ رہے

☆☆﴿۲۷۰﴾☆☆

طلب ہو صبر کی اور دِل آرزو آئے
غضب ہے دوست کی خواہش ہو اور عدو آئے
بہار میں بھی نہ راحت ملے جو فرقت ہو
صبا سے بھی گل داغ جگر کی بُو آئے
بتوں کے ظلم کو کردوں میں ہر طرح ثابت
مگر خدا نہ کرے ایسی گفتگو آئے
کیا ہے نشۂ الفت نے مائل گریہ
شراب پینے کو آخر کنار جو آئے
تم اپنا رنگ بدلتے رہو فلک کی طرح
کسی کی آنکھ میں اشک آئے یا لہو آئے
تری جدائی سے ہے روح پر یہ ظلم حواس
میں اپنے آپ میں پھر کیوں رہوں جو تو آئے
ریا کا رنگ نہ ہو مستند ہیں وہ اعمال
کلام پختہ ہے جب درد دل کی بو آئے

لبوں کا بوسہ جسے مل گیا ہو وہ جانے
قدم تو اس بت بے دیں کے ہم بھی چھو آئے
کھلی جو آنکھ جوانی میں عشق آ پہنچا
جو گرمیوں میں کُھلیں در تو کیوں نہ لو آئے
وہ مے نصیب کہاں اِن ہوس پرستوں کو
کہ ہو قدم کو نہ لغزش نہ منہ سے بُو آئے

☆☆﴿۲۷۱﴾☆☆

بہت دن محتسب کے ہاتھ سے مے کے سبو ٹوٹے
شکایت کیا اگر دستِ سبو سے اب وضو ٹوٹے
کچھ ایسا بڑھ گیا ہے حُسنِ لطفِ ساقیِ دوراں
ہزاروں شیشۂ تقویٰ پڑے ہیں چار سو ٹوٹے
شکستِ نیتِ طوفِ حرم تجھ سے ہوئی اے دل
سزا ہے اس بُتِ ظالم کے ہاتھوں سے جو تُو ٹوٹے

☆☆﴿۲۷۲﴾☆☆

ہوتا ہے نفخ یورپین نان پاؤ سے
میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے
تنہا وہ رہ گئے تھے تو میں خود نہ بیٹھتا
ناحق مجھے ذلیل کیا جاؤ جاؤ سے
ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تُلے ہوئے
لیکن خرید ہو جو علی گڑھ کے بھاؤ سے

☆☆﴿۲۷۳﴾☆☆

بے نالہ و فریاد و فغاں رہ نہیں سکتے

قہر اس پہ یہ ہے اس کا سبب کہہ نہیں سکتے

موجیں ہیں طبیعت میں مگر اٹھ نہیں سکتیں

دریا ہیں مرے دل میں مگر بہ نہیں سکتے

پتوار شکستہ ہے نہیں طاقتِ ترمیم

ہے ناؤ میں سوراخ مگر کہہ نہیں سکتے

کہہ دو گے کہ ہے تجربہ اس بات کے برعکس

کیوں کر یہ کہیں ظلم و ستم سہہ نہیں سکتے

عزت کبھی وہ تھی کہ بھلائے سے نہ بھولے

تحقیر اب ایسی ہے جسے سہہ نہیں سکتے

☆☆﴿۲۷۴﴾☆☆

ہم نے یہ نکتہ سنا اک مردِ آگاہ سے

پھر گیا اس سے زمانہ جو پھرا اللہ سے

ضعفِ مذہب ہوگیا ہے باعثِ طولِ سخن

گفتگو عامی سے ہو یا بحث ہو ذی جاہ سے

ایک لکچر کی ضرورت ہوتی ہے ہر بات پر

کام مطلق اب نہیں چلتا معاذ اللہ سے

آپ فرماتے ہیں تجھ سے مجھ کو الفت ہے بہت

اور ثابت کرتے ہیں اس کو فقط و اللہ سے

☆☆﴿۲۷۵﴾☆☆

اِن بتانِ بے وفا کے حسن کا دل دادہ ہے

فکر ہے اکبر کی رنگیں دل نہایت سادہ ہے

رقص پروانہ کا گردِ شمع دیکھیں اہلِ ذوق

کس خوشی سے جان دینے کے لیے آمادہ ہے

مائلِ خالق مجھے کرتی ہے یاں رفتارِ خلق

چشم بینا کے لیے ہر نقش پا سجادہ ہے

☆☆﴿۲۷۶﴾☆☆

کہاں تسکین خاطر نالہ جانکاہ کرنے سے

بھڑکتی آتشِ دل اور بھی ہے آہ کرنے سے

یہ دور آسماں خضرِ طریقت ہو نہیں سکتا

خدارا اے خرد باز آ مجھے گمراہ کرنے سے

وہ کون ایسی نظر ہے جو نہ ہو محو ایسی صورت پر

وہ کون ایسی زباں ہے رُک سکے جو آہ کرنے سے

مصیبت سخت تھی لیکن زمانہ دیکھ کر دِل نے

کہا کیا فائدہ احباب کو آگاہ کرنے سے

☆☆﴿۲۷۷﴾☆☆

بتوں کے سامنے کیا مذہبی بہانہ چلے

چلیں گے ہم بھی اسی رخ جدھر زمانہ چلے

میں جانتا ہوں نہ چھوڑیں گے آپ چال اپنی

کس کا کام چلے اے حضور یا نہ چلے

خدا کے واسطے ساقی یہی نگاہِ کرم

چلا ہے دور تو پھر کیوں رُکے چلا نہ چلے

کِھلا ہے باغِ قناعت میں غنچۂ خاطر

خدا بچائے کہیں حرص کی ہوا نہ چلے

نصیب ہو نہ سکی دولتِ قدم بوسی

ادب سے چوم کے حضرت کا آستانہ چلے

فروغ عشق کا بے آہ کے نہیں ممکن

نہ پھیلے بوئے گلستان اگر ہوا نہ چلے

کھلے کوار جو کمرے کے پھر کسی کو کیا

یہ حکم ھی تو ہوا ہے کہ راستانہ چلے

اُمیدِ حُور میں مسلم تو ہوگیا ہوں مگر

خدا ہی ہے کہ جو مجھ سے یہ پنجگانہ چلے

خودی کی حسِ سے بھی ہوتا ہے انتشار اکبر

کہاں رہوں کہ مجھے بھی مرا پتا نہ چلے

☆☆ ۲۷۸ ☆☆

حضور اوروں کے خوش کرنے کی فکر البتہ فرمائیں

ہماری کیا ہے شاعر کے لیے اک واہ کافی ہے

خوشی سے ماسوا پر آپ قبضہ کیجئے اپنا

مری تسکین دل کے واسطے اللہ کافی ہے

نہایت ناپسند ان کو ہے یاد مرگ اے اکبر
مگر اس کے بھلا دینے کو حُبِّ جاہ کافی ہے

☆☆﴿۲۷۹﴾☆☆

وصفِ قدِ یار میں مصروف میرا خامہ ہے
میری جو تحریر ہے وہ اک قیامت نامہ ہے

☆☆﴿۲۸۰﴾☆☆

میرے دل کو وہ بت دِل خواہ جو چاہے کرے
اب تو دے ڈالا اسے اللہ جو چاہے کرے
حضرت اکبر سا ضابط اور یہ بے تابیاں
آپ کی ترچھی نظر و اللہ جو چاہے کرے
منزل صدق و صفا ہے ہرطرح خطروں سے پاک
نیک بختوں میں سے طے یہ راہ جو چاہے کرے
قاضی و مفتی ہیں غرقِ بادہ مستی و کبر
قوم کا ضعف اور حُبِّ جاہ جو چاہے کرے
شیخ کی منطق ہو یا چشمِ فسوں سازِ بتاں
سیدھا سادہ ہوں مجھے گمراہ جو چاہے کرے
دیکھ کر پوتھی برہمن کہتے ہیں اس عہد میں
شادی تو آساں نہیں ہاں بیاہ جو چاہے کرے
خرچ کی تفصیل پوچھوں گا نہ مانگوں کا حساب
لے لے وہ بت کل مری تنخواہ جو چاہے کرے

اچھے اچھے پھنس گئے ہیں نوکری کے جال میں
سچ یہ ہے افزونی تنخواہ جو چاہے کرے
بااثر ہونا تو ہے موقوف دل کے رنگ پر
جوش میں یوں آکے اکبر آہ جو چاہے کرے

☆☆﴿۲۸۱﴾☆☆

جھکتا نہیں بندہ کسی بدخواہ کے آگے
کیا غم ہے توکلت علی اللہ کے آگے
منطق بھی ہے قانونِ شہادت بھی خرد بھی
سب ہیچ مگر آپ کی واللہ کے آگے

☆☆﴿۲۸۲﴾☆☆

ان کی نظر کا آخر کیا کر لیا کسی نے
بس رہ گئے یہ کہہ کر مارا ہمیں اسی نے
چمکے ہیں بزم جم میں اب گیسوئے طلائی
سکہ نیا بٹھایا گردوں کی پالیسی نے
کیا حالِ دل سنائیں کیا سرقدم پہ رکھیں
مایوس کر دیا ہے اس بت کی بے حسی نے
جلوہ ہے آسماں پر ابرو شفق کا گویا
اچھا سماں دکھایا لب پر تری مسی نے

☆☆ ۲۸۳ ☆☆

وہ خوب سمجھتے ہیں یہ کیوں مجھ کو غشی ہے
یہ بھی اک ادا ہے جو یہ بیگانہ وشی ہے

افکار دو عالم نے کیا ہے مجھے بیمار
سنتا ہوں علاج اس کا فقط بادہ کشی ہے

محبوبہ بھی رخصت ہوئی ساقی بھی سدھارا
دولت نہ رہی پاس تو اب ہی[۹] ہے نہ شی[۱۰] ہے

میں کون سا منہ لے کے انھیں شکل دکھاؤں
گورے کو کہا جب یہ نگوڑا حبشی ہے

☆☆ ۲۸۴ ☆☆

ادھر ہے جلوۂ مضموں اُدھر حسن قوافی ہے
یہی اک شغل میرے دل کے بہلانے کو کافی ہے

جناب شیخ ہی کو فکر اسناد معافی ہے
ہماری طبع موزوں کو زمینِ شعر کافی ہے

☆☆ ۲۸۵ ☆☆

تیری زلفوں میں کافری ہے
تیری آنکھوں میں ساحری ہے

اللہ رے مصائب شب ہجر
گویا ہر سانس آخری!! ہے

کہنے لگے سن کے نظم میری

مطیع و تابع فرماں کو عذر ہی کیا ہے
کھلے تو حال کہ مرضی حضور کی کیا ہے
جنابِ شیخ کو ہے میرے حال پر افسوس
کہو کہ اس سے بھی ہوگا سوا ابھی کیا ہے
صدائے صور کی ہے ابتدا زمانے میں
بڑھے گی اس کی بتدریج نے ابھی کیا ہے
وہ عشق کیا جو نہ ہو ہادی طریقِ کمال
جو عقل کو نہ بڑھائے وہ شاعری کیا ہے
ہر ایک کو ہے زمانہ میں زندگی مقصود
کسے خبر ہے کہ مقصود زندگی کیا ہے
بتوں کو دیتے ہیں ہم جان دل لگی کے لیے
مگر یہ جان گنوانا ہے دل لگی کیا ہے
مرید لوگ بھی اب اعتنا نہیں کرتے
جو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں شیخ جی کیا ہے
جو تیرے محو ہیں ان کو بتوں سے کیا مطلب
وہ حور کی نہیں سنتے تو پھر پری کیا ہے
اس انقلاب کو حیرت سے دیکھتا ہوں میں
زمانہ کہتا ہے دیکھا کرو ابھی کیا ہے

☆☆﴿۲۸۸﴾☆☆

گُلِ تر کو بھلا اس عارضِ رنگیں سے کیا نسبت
کہ اس پر اوس پڑتی ہے یہاں خوبی ٹپکتی ہے
تمھارے کان کی بجلی عیاں ہے قربِ عارض میں
یہی وہ برق ہے سورج کے پہلو میں چمکتی ہے

☆☆﴿۲۸۹﴾☆☆

اپنے پہلو سے وہ غیروں کو اٹھا ہی نہ سکے
ان کو ہم قصہ غم اپنا سنا ہی نہ سکے
ذہن میرا وہ قیامت کہ دو عالم پہ محیط
آپ ایسے کہ مرے ذہن میں آ ہی نہ سکے
دیکھ لیتے جو انھیں تو مجھے رکھتے معذور
شیخ صاحب مگر اس بزم میں جا ہی نہ سکے
عقل مہنگی ہے بہت عشق خلاف تہذیب
دل کو اس عہد میں ہم کام میں لا ہی نہ سکے
ہم تو خود چاہتے تھے چین سے بیٹھیں کوئی دم
آپ کی یاد مگر دل سے بھلا ہی نہ سکے
عشق کامل ہے اسی کا کہ پتنگوں کی طرح
تاب نظارہ معشوق کی لا ہی نہ سکے
دم ہستی کی بھی ترکیب عجب رکھی ہے
جو پھنسے اس میں وہ پھر جاں بچا ہی نہ سکے

مظہر جلوۂ جاناں ہے ہر اک شے اکبر
بے ادب آنکھ کسی سمت اٹھا ہی نہ سکے
ایسی منطق سے تو دیوانگی بہتر اکبر
کہ جو خالق کی طرف دل کو جھکا ہی نہ سکے

☆☆﴿۲۹۰﴾☆☆

جو زاہدوں کی طرف سے تیری نگاہِ فتاں پھری نہیں ہے
تو کیا سبب ہے ہنوز ان کی بنائے تقویٰ گری نہیں ہے
اگرچہ عاشق بتوں کا ہوں میں نظر خدا سے پھری نہیں ہے
جو آنکھ رکھتے ہیں جانتے ہیں کہ عاشقی کافری نہیں ہے
جمال دلکش کا محو ہونا نہیں ہے ہرگز خلاف طاعت
خدا کی قدرت کی قدر کرنا ثواب ہے کافری نہیں ہے
بس اک اشارے میں لے گئی تو دلوں سے ایمان وصبر وتقویٰ
بتا تو اے چشمِ مست کافر یہ کیا ہے گر ساحری نہیں ہے

☆☆﴿۲۹۱﴾☆☆

ہماری دولت ایماں بت کافر نے لوٹی ہے
امید عیش پر خوش تھے مگر اب وہ بھی ٹوٹی ہے

☆☆﴿۲۹۲﴾☆☆

مری تقدیر طبعِ یار کو بے چین کرتی ہے
سبب کیا ہے وہی کہتا ہوں جو دل پر گزرتی ہے
ٹھہرتا ہی نہ ہو جو دل وہ ہے انمول دنیا میں

یہ کیا پوچھتا کہ تیرے دل کی کیا قیمت ٹھہرتی ہے
سلیقہ عاشقی کا دل میں پیدا کرتی ہے فطرت
خدا جانے عنایت کرتی ہے یا ظلم کرتی ہے

☆☆﴿۲۹۳﴾☆☆

یقین قوت تدبیر بت پرستی ہے
غرور رفعتِ دنیا نظر کی پستی ہے
حدیثِ زلف و کمر معرفت کی غزلوں میں
خدا کے عشق میں بھی لطف بت پرستی ہے

☆☆﴿۲۹۴﴾☆☆

مسلمانوں کو لطف و عیش سے جینے نہیں دیتے
خدا دیتا ہے کھانا شیخ جی پینے نہیں دیتے

☆☆﴿۲۹۵﴾☆☆

شیخ جی اپنی سی بکتے ہی رہے
وہ تھیٹر میں تھرکتے ہی رہے
دف بجایا ہی کئے مضمون نگار
وہ کمیٹی میں مٹکتے ہی رہے
سرکشوں نے طاعتِ حق چھوڑ دی
اہلِ سجدہ سر پٹکتے ہی رہے
گائیں سبزہ پا گئیں کر کے کلیل
اونٹ کانٹوں پر لٹکتے ہی رہے

جو غبارے تھے وہ آخر گر گئے
جو ستارے تھے چمکتے ہی رہے

☆☆﴿۲۹۶﴾☆☆

مرے اجداد بھی ڈرتے تھے اکبر میں بھی ڈرتا ہوں
مگر ان کو گناہوں سے تھا ڈر اور مجھ کو مرنے سے
نشاں اللہ کا اس راہ میں دیتا نہیں واعظ
بجا ہے ہمت مسلم جو رکتی ہے اُبھرنے سے
سعادت کا جو طالب ہے کھلا رکھ چشم عبرت کو
اثر دکھلائے گا یہ نقش ہستی آہ بھرنے سے
سرائے دہر کو جس نے محل خوف سمجھا ہے
اسے کیا لطف آئے گا یہاں دل کے ٹھہرنے سے
خدا کے نام میں لذت نہ پائی اہل غفلت نے
تعجب اس میں کیا دل مر گیا دنیا پہ مرنے سے
خدا کے خوف کو کچھ تو جگہ دے دل میں اے اکبر
بتوں کی کافری بڑھتی ہے تیرے واہ کرنے سے

☆☆﴿۲۹۷﴾☆☆

اگر ملنا نہیں منظور آنکھیں کیوں ملاتے ہو
یہ تڑپانے سے حاصل فائدہ بے چین کرنے سے
نہ رہنے دے گا مجھ کو جوش دل اب دست کش ہرگز
قیامت ہو گیا ہے آپ کا سینہ اُبھرنے سے

جوانی کی ہے آمد شرم سے جھک سکتی ہیں آنکھیں
مگر سینہ کا فتنہ رک نہیں سکتا ابھرنے سے

☆☆﴿۲۹۸﴾☆☆

اور بھی دورِ فلک ہیں ابھی آنے والے
ناز اتنا نہ کریں ہم کو مٹانے والے
سینکڑوں دور جنوں ہیں ابھی آنے والے
مطمئن کیا ہیں مجھے ہوش میں لانے والے
اُٹھتے جاتے ہیں اب اس بزم سے ارباب نظر
گھٹتے جاتے ہیں مرے دل کے بڑھانے والے
خاتمہ عیش کا حسرت ہی پہ ہوتے دیکھا
رو ہی کے اٹھتے ہیں اس بزم سے گانے والے
حدِ ادراک میں داخل نہ ہو اسرِ ازل
کچھ سمجھ ہی نہ سکے ہوش میں آنے والے
موجِ معنی ہوئی گم بندھ گئے الفاظ کے پل
کچھ خبر ہے تجھے اے بات بنانے والے
آپ اندھیرے میں ہیں بجلی سے مدد لیتے ہیں
چاند سورج ہیں ہمیں راہ دکھانے والے
بار احساں جسے کہتے ہیں وہ ہے کوہ جفا
کاش نادم ہوں یہ احسان جتانے والے
آپ منکر ہیں غلامی بھی نہیں ملتی ہے

سلطنت کرگئے عقبیٰ سے ڈرانے والے

قدم شوق بڑھے ان کی طرف کیا اکبر

دل سے ملتے نہیں یہ ہاتھ ملانے والے

☆☆﴿۲۹۹﴾☆☆

رہ گئے ہم ہاتھ ہی ملتے ہوئے

دل ہمارا لے کے وہ چلتے ہوئے

کیوں نہ ہوتا دیب کالج بے ثمر

کس نے دیکھا بید کو پھلتے ہوئے

☆☆﴿۳۰۰﴾☆☆

سب میں وحشت ہے زمانہ کے بدل جانے سے

دل اب اپنے سے نہ ملتا ہے نہ بیگانے سے

رحم کر قوم کی حالت پہ تو اے ذکر خدا

بے ادب ہوگئی مجلس ترے اٹھ جانے سے

جب ہمیں وہ نہ رہے پھر یہ بدلنا کیسا

یہ کہو مٹ گئے دنیا کے بدل جانے سے

نقص تعلیم سے اب اس کی سمجھ ہی نہ رہی

دل تو بڑھ جاتا تھا اجداد کے افسانے سے

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے

دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

حکم اکبر کو ہوا ہے کہ کرو ترکِ سخن

خواجہ حافظ بھی نکالے گئے میخانے سے

☆☆﴿۳۰۱﴾☆☆

دم لبوں پر تھا دلِ زار کے گھبرانے سے
آ گئی جان میں جاں آپ کے آجا نے سے

تیرا کوچہ نہ چھٹے گا ترے دیوانے سے
اس کو کعبہ سے نہ مطلب ہے نہ بت خانے سے

بچتا ہوں کوئے حسیناں کی ہوا کھانے سے
فائدہ کیا ہے دبی آگ کے بھڑکانے سے

رقص کرتی ہے صبا گرم نوائے بلبل
کشتہ اس ناچ کا ہوں مست ہوں اس گانے سے

جو کہا میں نے کرو کچھ مرے رونے کا خیال
ہنس کے بولے مجھے فرصت ہی نہیں گانے سے

جاں بلب دیکھ کے سینے سے لگایا اس نے
گھٹ گئی شرم مرے شوق کے بڑھ جانے سے

خیر چپ رہیئے مزا ہی نہ ملا بوسے کا
میں بھی بے لطف ہوا آپ کے جھنجلانے سے

خوش کرے کیا مجھے غنچوں کا شگفتہ ہونا
رنج ہوتا ہے بہت پھولوں کے کمھلانے سے

اپنے دل ہی کی رفاقت میں بسر کی میں نے
شکر اللہ کا ہے نبھ گئی دیوانے سے

شیخ نافہم ہیں کرتے جو نہیں قدر اس کی
دل فرشتوں کے ملے ہیں ترے دیوانے سے

مضطرب عشق بتاں میں ہوں عبث میں اتنا
رام ہو جائیں گے کیا وہ مرے گھبرانے سے

میہماں چرخ ستمگر کا کیا قسمت نے
کوئی چارہ نہیں اب خون جگر کھانے سے

خوانِ الوانِ جہاں پر یہ ہوا ہم کو یقین
حفظِ ایماں ہے فقط خونِ جگر کھانے سے

میں جو کہتا ہوں کہ مرتا ہوں تو فرماتے ہیں
کارِ دُنیا نہ رُکے گا ترے مرجانے سے

رونق عشق بڑھا دیتی ہے بے تابی دل
حسن کی شان فزوں ہوتی ہے شرمانے سے

دلِ صد چاک سے کھل جائیں گے ہستی کے یہ پیچ
بل نکل جائیں گے اس زلف کے اس شانے سے

کون ہمدرد کسی کا ہے جہاں میں اکبر
ایک ابھرتا ہے یہاں ایک کے مٹ جانے سے

صفحہ دہر پہ ہیں نقش مخالف اکبر
ایک ابھرتا ہے یہاں ایک کے مٹ جانے سے

☆☆﴿۳۰۲﴾☆☆

کل تک محبتوں کے چمن تھے کھلے ہوئے
دو دل بھی آج مل نہیں سکتے ملے ہوئے

اچھے وہی ہیں آج جو سوتے ہیں زیر گل
افسوس ہے انھیں کے ہزاروں گلے ہوئے

آنکھیں دکھا رہی ہیں کہ ہے دل میں بیڑی ا؎
عارض اگرچہ گل کی طرح ہیں کھلے ہوئے

☆☆﴿۳۰۳﴾☆☆

آنکھیں مجھے تلووں سے وہ ملنے نہیں دیتے
ارماں مرے دل کا نکلنے نہیں دیتے

خاطر سے تری یاد کو ٹلنے نہیں دیتے
سچ ہے کہ ہمیں دل سنبھلنے نہیں دیتے

کس ناز سے کہتے ہیں وہ جھنجلا کے شب وصل
تم تو ہمیں کروٹ بھی بدلنے نہیں دیتے

پروانوں نے فانوس کو دیکھا تو یہ بولے
کیوں ہم جلاتے ہو کہ جلنے نہیں دیتے

حیران ہوں کس طرح کروں عرض تمنا
دشمن کو تو پہلو سے وہ ٹلنے نہیں دیتے

دل وہ ہے کہ فریاد سے لبریز ہے ہر وقت
ہم وہ ہیں کہ کچھ منہ سے نکلنے نہیں دیتے

گرمی محبت میں وہ ہیں آہ سے مانع
پنکھا نفس سرد کا جھلنے نہیں دیتے

☆☆☆☆

☆☆ ۱ ☆☆

کھولی ہے زبان خوش بیانی کے لیے
اُٹھا ہے قلم گہر فشانی کے لیے
آیا ہوں میں کوچۂ سخن میں اکبر
نظارہ شاہد معانی کے لیے

☆☆ ۲ ☆☆

تائید وضع ملت و دیں کی کروں گا میں
اہلِ زمانہ لاکھ ہنسیں مجھ غریب پر
ہوتا نہیں طبیب مداوا سے دست کش
سچ ہے اجل تو ہنستی ہے سعی طبیب پر

☆☆ ۳ ☆☆

جب لطف و کرم سے پیش آئے محبوب
اگلے رنجوں کو بھول جانا اچھا
جب مثل نسیم وہ گلے سے لگ جائے
مانند کلی کے پھول جانا اچھا

☆☆ ۴ ☆☆

کیا تم سے کہیں جہاں کو کیسا پایا
غفلت ہی میں آدمی کو ڈوبا پایا
آنکھیں تو بے شمار دیکھیں لیکن
کم تھیں بخدا کہ جن کو بینا پایا

☆☆﴿۵﴾☆☆

اونچا نیت کا اپنی زینہ رکھنا
احباب سے صاف اپنا سینہ رکھنا
غصہ آنا تو نیچرل ہے اکبر
لیکن ہے شدید عیب کینہ رکھنا

☆☆﴿۶﴾☆☆

غفلت کی ہنسی سے آہ بھرنا اچھا
افعال مضر سے کچھ نہ کرنا اچھا
اکبر نے سنا ہے اہل غیرت سے یہی
جینا ذلت سے ہو تو مرنا اچھا

☆☆﴿۷﴾☆☆

رشوت ہے گلوئے نیک نامی کا چھرا
عیاشی ہے بدی کے پینے گا دُھرا
ہر چند کہ بے محل خوشامد ہے بری
گستاخ مگر خوشامدی سے بھی برا

☆☆﴿۸﴾☆☆

گذرا ہے مری نظر سے سب کا جلوہ
سب سے بہتر روز و شب کا جلوہ
کہتا ہے عجم عجم میں جم ہے موجود
کہہ دو کہ عرب میں دیکھ رب کا جلوہ

☆☆﴿۹﴾☆☆

ہر چند محل اِنقلابات رہا
گھٹے بڑھنے کا پیچ دن رات رہا
چھوڑیں نہیں منزلیں قمر نے اپنی
ذی رتبہ و صاحب مقامات رہا

☆☆﴿۱۰﴾☆☆

آزاد سے دیں کا گرفتار اچھا
شرمندہ ہو دل میں وہ گنہہ گار اچھا
ہر چند کہ زور بھی ہے اک خصلت بد
واللہ کہ بے حیا سے مکار اچھا

☆☆﴿۱۱﴾☆☆

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بی بیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

☆☆﴿۱۲﴾☆☆

انقلاب جہان کو دیکھ لیا
حُبِّ دُنیا سے قلب پاک ہوا
کل کلی کھل کے ہوگئی تھی پھول
پھول کمھلا کے آج خاک ہوا

☆☆﴿۱۳﴾☆☆

تھا سر میں کمال وہ تو سلطان بنا
تھا دل میں جمال وہ مسلمان بنا
لذت طلبی سے نفسی رندی پہ جھکا
تھا پیٹ بہت حریص شیطان بنا

☆☆﴿۱۴﴾☆☆

مذہب کو لیا تو بحث میں سر ٹوٹا
چاہی اصلاح تو خدا ہی چھوٹا
شکوہ ہم غیر کا کریں کیا اکبر
اپنوں ہی نے ہم کو ہر طرح سے لوٹا

☆☆﴿۱۵﴾☆☆

رسوا وہ ہوا جو مست پیمانہ ہوا
لپکا جو سایہ پر وہ دیوانہ ہوا
انگلینڈ سے اپنا دل جو لایا نہ درست
محروم اُدھر ادھر سے بیگانہ ہوا

☆☆﴿۱۶﴾☆☆

کرم حق پہ رکھ نظر اپنی
جو عقیدہ ترانہ ہو ڈھیلا
آسرا سب کا چھوڑ دے اکبر
وتبتّل علیہ تبتیلا

☆☆﴿۱۷﴾☆☆

مجلس میں خیال بادہ نوشی پایا
مکتب میں سر سخن فروشی پایا
مسجد میں اگرچہ امن تھا اے اکبر
لیکن اک عالم خموشی پایا

☆☆﴿۱۸﴾☆☆

کہنے کو تو شاہ سب ہیں مہراج ہیں سب
مالک دولت کے مالک تاج ہیں سب
لیکن کھولو جو چشم تحقیق اکبر
بے بس ہیں سب خدا کے محتاج ہیں سب

☆☆﴿۱۹﴾☆☆

جلوۂ ارض و سما دکھلا کے ہے نیچر بھی چپ
لا الہ الا الہ اور قل ھو اللہ کہہ کے پیغمبر بھی چپ
بحث اس کی ذات میں کیوں کر رہا فلسفی
ایسے ایسے چپ ہیں یہ ہوتا نہیں اس پر بھی چپ

☆☆﴿۲۰﴾☆☆

لامذہبی سے ہو نہیں سکتی فلاح قوم
ہرگز گذر سکیں گے نہ ان منزلوں سے آپ
کعبہ سے بُت نکال دیئے تھے رسول ﷺ نے
اللہ کو نکال رہے ہیں دلوں سے آپ

☆☆﴿۲۱﴾☆☆

کامل کم ہیں اور اہلِ ارشاد بہت
ساحر کم ہیں ملیں گے صیاد بہت
ہے بزم سخن کا حال یہ اکبر
شاعر کم ہیں مگر ہیں اوستاد بہت

☆☆﴿۲۲﴾☆☆

بندوں نے بھلا دیا ہے وہ عہد الست
ناٹھی و حرص میں ہیں اکثر بدمست
کیا زید و بکر پہ معترض ہوتا ہے
اک گور پرست ہے تو ایک زور پرست

☆☆﴿۲۳﴾☆☆

پیری آئی ہوئی جوانی رخصت
ساتھ اس کے وہ لطف زندگانی رخصت
ہے اب تو اسی کا انتظار اے اکبر
ہم کو بھی کرے جہان فانی رخصت

☆☆﴿۲۴﴾☆☆

تری معین فقط ہے خدا کی ذات اے دوست
خدا گواہ کہ پکی یہی ہے بات اے دوست
طلب مدد کی نہیں ان سے جو ہیں خود محتاج
طلب مدد کی ہے بالصبر و الصلوٰۃ اے دوست

☆☆﴿۲۵﴾☆☆

تحریک ضرورت معیشت ہے بہت
خرقہ کو بھی اب خیال خلعت ہے بہت
خالق کے جمال کا تو سودا کم ہے
اللہ کے نام کی تجارت ہے بہت

☆☆﴿۲۶﴾☆☆

دنیا کرتی ہے آدمی کو برباد
افکار سے رہتی ہے طبیعت ناشاد
دو ہی چیزیں ہیں بس محافظ دل کی
عقبیٰ کا تصور اور اللہ کی یاد

☆☆﴿۲۷﴾☆☆

حق نے جنہیں دی ہے فہم قرآن مجید
ہونے کے نہیں وہ پیر گردوں کے مرید
بدلے سو رنگ انقلاب دنیا
ہر حال میں ان کو ہے خدا ہی سے اُمید

☆☆﴿۲۸﴾☆☆

کس نما ندست کہ دربیشہ شکارے بکند
تیغ گیرو بکف و فتح دیا رے بکند
ایں زماں ہمت مرداں بہ ہمیں محدود دست
زنے از پردہ بروں آید و کارے بکند

☆☆﴿۲۹﴾☆☆

چھوڑ دہلی، لکھنؤ سے بھی نہ کچھ امید کر
نظم میں بھی وعظ آزادی کی اب تائید کر
صاف ہے روشن ہے اور ہے صاحب سوز و گداز
شاعری میں بس زبان شمع کی تقلید کر

☆☆﴿۳۰﴾☆☆

فرمان اجل کا آ گیا وقت صدور
ہوں گے کوئی دم میں شامل اہل قبور
دیکھیں منکر نکیر کیا کہتے ہیں
یاں سب مجھے کہتے ہیں خداوند حضور

☆☆﴿۳۱﴾☆☆

دیکھے اکبر کے آج کچھ اشعار
آئی بے حد پسند یہ گفتار
تجربہ خود بنے گا واعظِ دیں
لیکن بعد از خرابی بسیار

☆☆﴿۳۲﴾☆☆

بے سود ہے یہ شکوہ و لفاظی وسیر
افسوس ہے مخلصوں کو اور ہنستے ہیں غیر
چلئے ابجد سے اب یسر کہہ کر
ہوسکتی ہے تب امید تمت بالخیر

☆☆﴿۳۳﴾☆☆

منکر جو ہیں روح کے جو یہ اہل غرور
اک امر ہے پوچھنا ہمیں ان سے ضرور
ہے فہم و خرد کا تم کو دعوی یہ کہو
پیدا ہو مادہ میں کیونکر یہ شعور

☆☆﴿۳۴﴾☆☆

سید صاحب سکھا گئے ہیں جو شعور
کہتا نہیں تم سے میں کہ ہو اس سے نفور
سوتوں کو جگا دیا انہوں نے لیکن
اللہ کا نام لے کے اٹھنا ہے ضرور

☆☆﴿۳۵﴾☆☆

لے جاؤں لحد میں اپنا اسلام بخیر
لکھیں یا رب ملک میرا نام بخیر
اسلام سے جس نے بے وفائی کی ہے
پایا نہیں میں نے اس کا انجام بخیر

☆☆﴿۳۶﴾☆☆

ہو علم اگر نصیب تعلیم بھی کر
دولت جو ملے تو اس کو تقسیم بھی کر
اللہ عطا کرے جو عظمت تجھ کو
جو اہل نہیں اس کے ان کی تعظیم بھی کر

☆☆﴿۳۷﴾☆☆

یہ تھی غلطی دیا جو معبود کو چھوڑ
اِصلاح یہ ہے نمود بے سود کو چھوڑا
بزم لت کا عافیت جو ہے اگر
اللہ کے آگے جھک اچھل کود کو چھوڑ

☆☆﴿۳۸﴾☆☆

کہہ دو کہ میں خوش ہوں رکھوں گر آپ کو خوش
بجلی چمکاؤں اور کروں بھاپ کو خوش
سیکھوں ہر علم و فن مگر فرض یہ ہے
ہر حال میں رکھوں اپنے ماں باپ کو خوش

☆☆﴿۳۹﴾☆☆

بے سود ہے گنج و مال دولت کی تلاش
ذلت ہے دراصل جاہ و شوکت کی تلاش
اکبر تو سرور طبع کو علم میں ڈھونڈ
محنت میں کر سکون و راحت کی تلاش

☆☆﴿۴۰﴾☆☆

غالب انسان پہ خود پسندی ہے فقط
مذہب کیا ہے گروہ بندی ہے فقط
ہر ذرہ دہر سے یہ آتی ہے صدا
نعمت ہے اگر تو عقلمندی ہے فقط

☆☆﴿۴۱﴾☆☆

ہے ماہ صیام کی نہایت تعریف
بے شبہہ یہ ہے مہذب و پاک و لطیف
نااہلوں کو یہ کبھی لگاتا نہیں منہ
کہتے ہیں اسی سبب سے رمضان کو شریف

☆☆﴿۴۲﴾☆☆

تکمیل میں ان علوم کے ہو مصروف
نیچر کی جو طاقتوں کو کر دیں مکشوف
لیکن تم سے امید کیا ہو کہ تمہیں
عہدہ مطلوب ہے وطن ہے مالوف

☆☆﴿۴۳﴾☆☆

دیکھا مناظروں کا بہت اس نے رنگ ڈھنگ
اکبر کے دل میں اب نہ رہی بحث کی امنگ
کہتے بہت صحیح تھے یہ حضرات مذاق ۱۴؎
ایماں برائے طاعت و مذہب برائے جنگ

☆☆﴿۴۴﴾☆☆

ہے حرص و ہوس کے فن کی مجھ کو تکمیل
غیرت نہیں میری بزم دانش میں دخیل
ہیں نفس کی خواہشیں بہت مجھ کو عزیز
جب چاہے کریں خوشی سے وہ مجھ کو ذلیل

☆☆﴿۴۵﴾☆☆

بے غیرت و خود فروش و جاہل سے نہ مل
حق سے جو غافل ایسے غافل سے نہ مل
یک جا کر دیں حوادث دھر اگر
جائز ہے کہ ان سے مل مگر دل سے نہ مل

☆☆﴿۴۶﴾☆☆

دل ہو وسیع اور روشن ہو خیال
ہر رنگ دکھائے تجھ کو خالق کا جمال
ساری دنیا ہے اس کو پیاری اکبر
کہتا ہے کم آل ۂ جس کو حاصل ہے کمال

☆☆﴿۴۷﴾☆☆

جب علم گیا تو شوق عزت معدوم
دولت رخصت تو ذوق زینت معدوم
مسجد سے یہ آئی گوش اکبر صدا
مذہب جو مٹا تو زور ملت معدوم

☆☆﴿۴۸﴾☆☆

خواہان علم نہ طالب گنج ہیں ہم
بے کینہ و بے ریا و بے رنج ہیں ہم
لغزش ہو کوئی تو دوست فرمائیں معاف
آزاد ہیں مست ہیں سخن سنج ہیں ہم

☆☆﴿۴۹﴾☆☆

انوار اس دور کے دل افروز ہیں کم
گویا کہ شبیں بہت ہیں اور روز ہیں کم
ہر چرب زباں نہیں ہے شمع اخلاص
جلنے والے بہت ہیں دل سوز ہیں کم

☆☆﴿۵۰﴾☆☆

اب تک کوئی بہتری تو ظاہر نہ ہوئی
گذرے جاتے ہیں ہم پہ سال و مہ و یوم
شاید کہ یہی ترقی قومی ہے
ہر شخص بجائے خود بنا ہے اک قوم

☆☆﴿۵۱﴾☆☆

رکھو جو مقابل اس کے سارا عالم
دنیا بخدا ہے اک ذرے سے بھی کم
اس اک ذرے میں ہے ہماری کیا اصل
نافہم ہیں کر رہے ہیں ناحق ہم ہم

☆☆﴿۵۲﴾☆☆

مخلوط کرو نہ نفس و نیچر کو بہم
گو نفس نے بھی لیا ہے نیچر سے جنم
جو بھوک لگے زباں کو وہ ٹھیک نہیں
نافع وہ طعام ہے کہ طالب ہو شکم

☆☆﴿۵۳﴾☆☆

پڑتا ہے بتوں سے ساعت چند کا کام
تمہید میں اس کی دولت و عمر تمام
اللہ سے ہر نفس کا رہتا ہے لگاؤ
دشوار ہے نفس پر عبادت کا نام

☆☆﴿۵۴﴾☆☆

علم و حکمت میں ہو اگر خواہش فیم[۱۶]
سرکار کی نوکری کو ہرگز نہ کرایم[۱۷]
شادی نہ کر اپنی قبل تحصیل علوم
بت ہو کہ پری ہو خواہ وہ ہو کوئی میم

☆☆﴿۵۵﴾☆☆

بھولے جاتے ہیں ہسٹری بھی اپنی
مذہب کو بھی ضعیف پاتے ہیں ہم
ہے دولت و جاہ بھی کمی پر ہر روز
ظاہر یہ ہے کہ مٹتے جاتے ہیں ہم

☆☆﴿۵۶﴾☆☆

اس بزم سے سب کے سب اٹھے جاتے ہیں
تسکین کے جو تھے سبب اٹھے جاتے ہیں
اِک قوتِ مذہبی عقیدوں سے تھی
وہ بھی تو دلوں سے اب اٹھے جاتے ہیں

☆☆﴿۵۷﴾☆☆

گر جیب میں زر نہیں تو راحت بھی نہیں
بازو میں سکت نہیں تو عزت بھی نہیں
گر علم نہیں تو زور و زر ہے بیکار
مذہب جو نہیں تو آدمیت بھی نہیں

☆☆﴿۵۸﴾☆☆

دنیا سے میل کی ضرورت ہی نہیں
مجھ کو اس کھیل کی ضرورت ہی نہیں
در پیش ہے منزل عدم اے اکبر
اس راہ میں ریل کی ضرورت نہیں

☆☆﴿۵۹﴾☆☆

توحیدانِ کے دلوں میں محفوظ نہیں
اللہ کے ذکر سے محظوظ نہیں
اس فرقہ نوکو میں نے دیکھا اکبر
اسلام ان کی نظر میں ملحوظ نہیں

☆☆﴿۶۰﴾☆☆

تجھ کو بھی جہاں میں کچھ شرف ہے کہ نہیں
کوئی طاقت تری طرف ہے کہ نہیں
داخل ہے نمازیوں میں یا فوج میں ہے
آخر تری بھی کوئی صف ہے کہ نہیں

☆☆﴿۶۱﴾☆☆

وہ رنگِ کہن تمہارے عاشق میں نہیں
الجھا ہوا اب وہ طرز سابق میں نہیں
الفت ثابت کرو عمل سے صاحب
واللہ کو دخل میری منطق میں نہیں

☆☆﴿۶۲﴾☆☆

اردو میں جو سب شریک ہونے کے نہیں
اس ملک کے کام ٹھیک ہونے کے نہیں
ممکن نہیں شیخ امراء القیس نہیں
پنڈت جی وال میک۱۸؎ ہونے کے نہیں

☆☆﴿۶۳﴾☆☆

کہا احباب نے یہ دفن کے وقت
کہ ہم کیوں کر وہاں کا حال جانیں
لحد تک آپ کی تعظیم کر دی
اب آگے آپ کے اعمال جانیں

☆☆﴿۶۴﴾☆☆

دلکش نہیں وہ حسیں جسے شرم نہیں
رونق نہیں اس کی جس کا دل گرم نہیں
سختی میں بھی ہو گداز طینت ہو جو صاف
پگھلی ہے برف گو کہ وہ نرم نہیں

☆☆﴿۶۵﴾☆☆

سمجھے جو کوئی برا یہ مضمون نہیں
کوئی پہلو خلافِ قانون نہیں
ہر چند کہ یہ مزے چکھتا ہے بہت
شیطان کا کوئی شخص ممنون نہیں

☆☆﴿۶۶﴾☆☆

وہ غیرتیں وہ صبر وہ ایمان ہیں کہاں
حسن عمل کے دل میں وہ ارمان ہیں کہاں
اِک غُل مچا ہوا ہے کہ مسلم ہیں خستہ حال
پوچھے ذرا کوئی کہ مسلمان ہیں کہاں

☆☆﴿۶۷﴾☆☆

اُلفت اور ادب نہیں تو انسان نہیں
بے صبر و سکوں جو ہو تو ایمان نہیں
جو غیر خدا کو جانتا ہو قادر
اکبر بخدا کہ وہ مسلمان نہیں

☆☆﴿۶۸﴾☆☆

بیخود ہیں وہ جو دل سے ہیں اللہ کے خواہاں
ہیں مست نگاہ بت دلخواہ کے خواہاں
آسودہ ہیں علم و ہنر و فن میں جو ہیں محو
چکر میں ہیں بس جاہ کے اور شاہ کے خواہاں

☆☆﴿۶۹﴾☆☆

ہے صبر و قناعت اِک بڑی چیز اکبر
لذت ابھی اِس کی تونے چکھی ہے کہاں
دنیا طلبی کے وعظ میں محو ہے تو
یہ بھی تو ذرا سمجھ کہ رکھی ہے کہاں

☆☆﴿۷۰﴾☆☆

مشکل سے یہ حالتیں سہی جاتی ہیں
پھانسیں ہیں کہ قلب میں رہی جاتی ہیں
تفصیل نہ پوچھ ہیں اشارے کافی
یوں نہیں یہ کہانیاں کہی جاتی ہیں

☆☆﴿۷۱﴾☆☆

گردن خالق کے آگے جھکتی ہی نہیں
اب ابتری سے یہ قوم رکتی ہی نہیں
ہوتی نہیں ان میں کچھ بھی غیرت پیدا
اور بات اکبر کی ہے کہ چکتی ہی نہیں

☆☆﴿۷۲﴾☆☆

چغلیاں اک دوسرے کی وقت پر جڑتے بھی ہیں
ناگہاں غصہ جو آجاتا ہے لڑ پڑتے بھی ہیں
ہندو و مسلم ہیں پھر بھی ایک اور کہتے ہیں سچ
ہیں نظر آپس کی ہم ملتے بھی ہیں لڑتے بھی ہیں

☆☆﴿۷۳﴾☆☆

اوروں کی کہی ہوئی جو دھراتے ہیں
وہ فونو گراف کی طرح گاتے ہیں
خود سوچ کے حسب حال مضمون نکال
انسان یونہی ترقیاں پاتے ہیں

☆☆﴿۷۴﴾☆☆

کہنے سننے کی گرم بازاری ہے
مشکل ہے مگر اثر پرائے دل میں
ایسا سنئے کہ کہنے والا ابھرنے
ایسی کہئے کہ بیٹھ جائے دل میں

☆☆﴿۷۵﴾☆☆

لفظوں کے چمن بھی اس میں کھل جاتے ہیں
بے ساختہ قافیئے بھی مل جاتے ہیں
دل کو مطلق نہیں ترقی ہوتی
تعریف میں سر اگرچہ ہل جاتے ہیں

☆☆﴿۷٦﴾☆☆

خاطر مضبوط دل توانا رکھو
امید اچھی خیال اچھا رکھو
ہو جائیں گی مشکلیں تمہاری آساں
اکبر اللہ پر بھروسہ رکھو

☆☆﴿۷۷﴾☆☆

اعمال کے حسن سے سنورنا سیکھو
اللہ سے نیک امید کرنا سیکھو
مرنے سے مفر نہیں ہے جب اے اکبر
بہتر ہے یہی خوشی سے مرنا سیکھو

☆☆﴿۷۸﴾☆☆

تہذیب وہ ہے کہ رنگ مذہب بھی ہو
آزاد وہ ہے کہ جو مودب بھی ہو
تزئین وہ ہے کہ خاکساری بھی ہو ساتھ
اسپیچ وہ ہے کہ اس میں یارب بھی ہو

☆☆﴿۷۹﴾☆☆

اللہ کا صدق دل سے جو طالب ہو
حیرت نہیں گر ملک کا ہم قالب ہو
ہرگز نہ بڑھیں گے اس سے نیچر کے مرید
ممکن نہیں جسم روح پر غالب ہو

☆☆﴿۸۰﴾☆☆

بھولتا جاتا ہے یورپ آسمانی باپ کو
بس خدا سمجھا ہے اس نے برق کو اور بھاپ کو
برق گر جائے گی اک دن اور اڑ جائے گی بھاپ
دیکھنا اکبر بچائے رکھنا اپنے آپ کو

☆☆﴿۸۱﴾☆☆

اسلام ہی کو بس اپنی ملت سمجھو
بیگانہ روش میں اپنی ذلت سمجھو
جو اس کے خلاف رائے رکھے اکبر
خاموش رہو سمجھ کی قلت سمجھو

☆☆﴿۸۲﴾☆☆

جس بات میں تم شکست ملت سمجھو
اس میں شرکت کو اپنی ذلت سمجھو
جو بندہ نفس ہو مخالف اس کا
قومی غیرت کی اس میں قلت سمجھو

☆☆﴿۸۴﴾☆☆

حاصل کرو علم طبع کو تیز کرو
باتیں جو بری ہیں ان سے پرہیز کرو
قومی عزت ہے نیکیوں سے اکبر
اس میں کیا ہے کہ نقل انگریز کرو

☆☆﴿۸۵﴾☆☆

دُنیائے دنی کی یہ ہوس جانے دو
گلچیں ہو اگر تو خار و خس جانے دو
مالک کے بغیر گھر کی رونق نہیں کچھ
اللہ کو اپنے دل میں بس جانے دو

☆☆﴿۸۶﴾☆☆

شیطان واعظ ہے پنبہ در گوش رہو
غالب ہے اسی کی بات خاموش رہو
بدلا پاتا ہوں مجلس دہر کا رنگ
ہستی کی ہوس نہ ہو تو بیہوش رہو

☆☆﴿۸۷﴾☆☆

کہتا ہوں میں ہندو و مسلماں سے یہی
اپنی اپنی روش پہ تم نیک رہو
لاٹھی ہے ہوائے دہر پانی بن جاؤ
موجوں کی طرح لڑو مگر ایک رہو

☆☆﴿۸۸﴾☆☆

اے جدِ بزرگ کے نواسو پوتو
تزئین کو تہ کرو زمینیں جو تو
کیا رٹتے ہو اپنی ہسٹری کو ہر وقت
اللہ مدد کرے گا ویسے ہو تو

☆☆﴿۸۹﴾☆☆

شہوات کی پیروی کا منصوبہ نہ ہو
دولت تری خادمہ ہو محبوبہ نہ ہو
شہرت جو کمال سے پیدا ہو جائے
لیکن بہ تکلفات مطلوبہ نہ ہو

☆☆﴿۹۰﴾☆☆

لوگ ہنستے ہیں جو پیش آتی ہے یہ حالت کبھی
من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو
لیکن اخلاقی نظر میں اس سے تو بہتر ہے وہ
من ترا پاجی تو مرا پاجی بگو

☆☆﴿۹۱﴾☆☆

ہوئی نصیب تلخ کامی تم کو
محسوس نہیں ہے اپنی خامی تم کو
اغیار نہیں بنا سکے تم کو غلام
ہے اپنے ہی نفس کی غلامی تو کو

☆☆﴿۹۲﴾☆☆

تدبیر کریں تو اس میں ناکامی ہو
تقدیر کا نام لیں تو بدنامی ہو
القصہ عجیب ضیق میں ہیں ہندی
یورپ کا خدا کہاں ہے جو حامی ہو

☆☆﴿۹۳﴾☆☆

مغوی کو بھی بد نہ کہئے ترغیب ہے یہ
کس سے میں کہوں کہ دل کی تخریب ہے یہ
شیطان کو رجیم کہہ دیا تھا اک دن
اک شور مچا خلافِ تہذیب ہے یہ

☆☆﴿۹۴﴾☆☆

ہے عقل بشر بھی تابع حکم خدا
بے فائدہ سب میں بحث و تقریر ہے یہ
تدبیر کے باب میں ہے ان کو شبہ
کہدو اکبر کہ جزو تقدیر ہے یہ

☆☆﴿۹۵﴾☆☆

مرد کو چاہیے قائم رہے ایمان کے ساتھ
تادم مرگ رہے یاد خدا جان کے ساتھ
میں نے مانا کہ تمھاری نہیں سنتا کوئی
سر ملانا تمھیں کیا فرض ہے شیطان کے ساتھ

☆☆﴿۹۶﴾☆☆

مسکین گدا ہو یا شاہ ذیجاہ
بیماری و موت سے کہاں کس کو پناہ
آہی جاتا ہے زندگی میں اک وقت
کرنا پڑتا ہے سب کو اللہ اللہ

☆☆﴿۹۷﴾☆☆

خوبی طاعت کی ہے مسلم اب بھی
عزت اس کی نہیں ہوئی کم اب بھی
خود بین و حریص و جنگجو ہو نہ اگر
واقف کی نظر میں ہے مکرم اب بھی

☆☆ ۹۸ ☆☆

رغبت جو دلائی وسعت مشرب کی
شامل اس میں غرض تھی بے شک سب کی
لیکن تبدیل وضع و نقل فاتح
ہے بعض کی بات اور اپنے ہی مطلب کی

☆☆ ۹۹ ☆☆

مذہب ہے گم ترقی یورپ کے سامنے
معذور خاکسار بھی ہے اور جناب بھی
لیکن وہ آفتاب ہے اور یہ ہے مثل ابر
ابر غلیظ سے ہے نہاں آفتاب بھی

☆☆ ۱۰۰ ☆☆

راحت کا سماں بندھا تو غفلت بھی ہوئی
حسرت کا کھچا جو سین عبرت بھی ہوئی
دنیا میں جسے جو پیش آیا اکبر
بس اس کے مطابق اس کی حالت بھی ہوئی

☆☆ ۱۰۱ ☆☆

تحصیل علوم کر کہ دولت ہے یہی
اخلاق درست کر کہ زینت ہے یہی
اکبر کی یہ بات یاد رکھ اے عشرت
محفوظ ہو معصیت سے عزت ہے یہی

☆☆﴿۱۰۲﴾☆☆

تسبیح و دعا میں جس نے لذت پائی
اور ذکر خدا سے دل نے راحت پائی
کوئی نہیں خوش نصیب اس سے بڑھ کر
بس دونوں جہاں کی اس نے نعمت پائی

☆☆﴿۱۰۳﴾☆☆

روزی مل جائے مال و دولت نہ سہی
راحت ہو نصیب شان و شوکت نہ سہی
گھر بار میں خوش رہیں عزیزوں کے ساتھ
دربار میں باہمی رقابت نہ سہی

☆☆﴿۱۰۴﴾☆☆

رازِ بت شوخ کی خبری ہی نہ ملی
دل کیا ملتا کبھی نظر ہی نہ ملی
کیا وصل کا حوصلہ کریں پیش رقیب
جن کو اس وقت تک کمر ہی نہ ملی

☆☆﴿۱۰۵﴾☆☆

کمیٹیوں سے نہ ہوگا کچھ بھی غرض اگر مشترک نہ ہوگی
خیال ملت نہ ہوگا جب تک مفید ہرگز یہ بک نہ ہوگی
بہت بجا نوٹ لکھ گئے ہیں یہ اپنی پوتھی میں بھائی مانک
غذا نہ ہوگی تو کیا جیوں گا دیا کرو تم ہزار ٹانک ۱۹ء

☆☆﴿۱۰۶﴾☆☆

خواہش ہے اگر تجھے غنی بننے کی
دولت کی ہوس ہے اور دھنی بننے کی
شخصی حالت کو چھوڑ کر اے ہندی
کوشش لازم ہے کمپنی بننے کی

☆☆﴿۱۰۷﴾☆☆

گو کہ رک سکتی نہیں یہ نقل وضع مغربی
پھر بھی کامل طور پر ممکن نہیں ہم قالبی
اپنی تاریخ اپنی ملت سے رہو تم باوفا
بندگی تم کو مبارک صاحبوں کو صاحبی

☆☆﴿۱۰۸﴾☆☆

دیکھے جو حوادث سماوی ارضی
قائم کر لیں ہیں تو نے باتیں فرضی
بھولا ہے خدا کو ذرا غور تو کر
زندہ رکھتی ہے تجھ کو کس کی مرضی

☆☆﴿۱۰۹﴾☆☆

وہ شوکت و شان زندگانی نہ رہی
غیرت کی حرم میں پاسبانی نہ رہی
پردہ اُٹھا تو کھل گیا اے اکبر
اسلام میں وہ اب لن ترانی نہ رہی

☆☆﴿۱۱۰﴾☆☆

حصہ حریص کا ہے بے دینی و غلامی
قانع کے واسطے ہے اعزاز و نیک نامی
محنت ہی کے لیے ہے تفریح قلب و روزی
مقبول دوستاں ہے اکبر کی خوش کلامی

☆☆﴿۱۱۱﴾☆☆

ہر ایک کو نوکری نہیں ملنے کی
ہر باغ میں یہ کلی نہیں کھلنے کی
کچھ پڑھ کے تو صنعت و زراعت کو دیکھ
عزت کے لیے کافی ہے اے دل نیکی

☆☆﴿۱۱۲﴾☆☆

بارہا جوشِ جنوں میں مجھے آیا ہے خیال
کہ تماشا ہے یہ ہنگامہ نیکی و بدی
نظرِ عشق میں ہے زندگی و موت اکبر
اضطراب نفس چند سکون ابدی

☆☆﴿۱۱۳﴾☆☆

یہ زینت دنیا ہے کہ مٹی پہ ہے پنی
بچوں کے سوا کون ہو اس کا متمنی
گوش شنوا ہو تو سنوا سکے ترانے
اس بزم میں اکبر سا نہیں کوئی مغنی

☆☆﴿۱۱۴﴾☆☆

اس عہد میں یہی ہے بس داخلِ نکوئی
مذہب پہ نکتہ چینی ملت کی عیب جوئی
شوقِ عمل نہیں ہے فکرِ اجل نہیں ہے
ناصح بنے ہیں اکثر عابد نہیں ہے کوئی

☆☆﴿۱۱۵﴾☆☆

منظور اے دل ہماری عرضی ہوگی
اس وقت کہ جب خدا کی مرضی ہوگی
اس دورِ فنا میں ہوگی لیکن جو بات
وہ صرف برائے نام فرضی ہوگی

☆☆﴿۱۱۶﴾☆☆

تاثیر ہوائے باغِ ہستی نہ گئی
صُورت کی ادا نظر کی مستی نہ گئی
ہوتے ہی رہے جمال دل کش پیدا
طبعِ انساں سے بت پرستی نہ گئی

☆☆﴿۱۱۷﴾☆☆

سوچو کہ آگے چل کر قسمت میں کیا لکھا ہے
دیکھو گھروں میں کیا تھا اور آج کیا رہا ہے
ہشیار ہ کے پڑھنا اس جال میں نہ پڑنا
یورپ نے یہ کہا ہے یورپ نے وہ کہا ہے

☆☆﴿۱۱۸﴾☆☆

رکتا نہیں انقلاب چارہ کیا ہے
حیراں ہیں **ملک** بشر بچارا کیا ہے
تسکیں کے لیے مگر ہے کافی یہ خیال
جو کچھ ہے خدا کا ہے ہمارا کیا ہے

☆☆﴿۱۱۹﴾☆☆

غنچہ رہتا ہے دل گرفتہ پہلے
رنگ چوں فنا سے گھبراتا ہے
کہتی ہے نسیم آکے راز فطرت
سنتے ہی پیام دوست کھل جاتا ہے

☆☆﴿۱۲۰﴾☆☆

ہنگامہ شکر و شکوہ دنیا میں ہے گرم
لیکن مرے دل سے یہ صدا آتی ہے
کھلتا نہیں رازِ دہر شکوہ ہے تو یہ
اور شکریہ ہے کہ موت آجاتی ہے

☆☆﴿۱۲۱﴾☆☆

انسان یا بہت سے دلوں کو ملا سکے
یا کوئی شے مفید خلائق بنا سکے
ہم تو اسی کو علم سمجھتے ہیں کام کا
پڑھنے کو مستعد ہیں جو کوئی پڑھا سکے

☆☆﴿۱۲۲﴾☆☆

تو نے دل دہر سے ملا رکھا ہے
قائم غفلت کا سلسلہ رکھا ہے
کیا خود زندہ ہے اپنی طاقت سے تو
آخر کس نے تجھے جلا رکھا ہے

☆☆﴿۱۲۳﴾☆☆

قرآں میں ہمیں خدا نے سمجھایا ہے
شیطان نے فلسفہ میں الجھایا ہے
قسمت اب دیکھنی ہے دل کی اکبر
معلوم نہیں کہ یہ کدھر آیا ہے

☆☆﴿۱۲۴﴾☆☆

دنیا نے دین کو بھلا رکھا ہے
غفلت کی نیند میں سلا رکھا ہے
اس دور میں خوش نصیب وہ ہے اکبر
جس نے قرآن کو کھلا رکھا ہے

☆☆﴿۱۲۵﴾☆☆

ہر حال میں بہر نوع انسب وہ ہے
اللہ و رسول کا بھی مطلب وہ ہے
قرآن کو غور سے پڑھو اور سمجھو
اکبر بخدا کہ جان مذہب وہ ہے

☆☆﴿۱۲۶﴾☆☆

لکچر سے نہ ہے نہ کچھ خیالات سے ہے
تہذیب سے ہے نہ ترک عادات سے ہے
اکبر بخدا یہ کامیابی ساری
تقدیر سے اور اتفاقات سے ہے

☆☆﴿۱۲۷﴾☆☆

دُنیائے دنی محل آفات بھی ہے
فکرِ روزی مخل اوقات بھی ہے
طرہ پھر اس پہ یہ کہ مرنا بھی ضرور
جیتا رہے آدمی تو اک بات بھی ہے

☆☆﴿۱۲۸﴾☆☆

انسان نہیں معتبر لیاقت بھی ہے
محسوب اس وزن میں وجاہت بھی ہے
انداز سخن سے بھی ہے اندازہ طبع
اک جزو قوی مگر شرافت بھی ہے

☆☆﴿۱۲۹﴾☆☆

دولت وہ ہے جو عقل و محنت سے ملے
لذت وہ ہے کہ جوش صحت سے ملے
ایمان کا ہو نور دل میں وہ راحت ہے
عزت وہ ہے جو اپنی ملت سے ملے

☆☆﴾۱۳۰﴿☆☆

آپس میں موافق رہو طاقت ہے تو یہ ہے
دیکھو نہ بہم عیب محبت ہے تو یہ ہے
صحت بھی ہو روزی بھی ہو دل کو بھی ہو تسکین
دنیا میں بشر کے لیے نعمت ہے تو یہ ہے

☆☆﴾۱۳۱﴿☆☆

حاسد تجھ پر اگر حسد کرتا ہے
کر صبر کہ خود وہ کار بد کرتا ہے
اپنی پستی کو کر رہا ہے محسوس
اور تیری بلندیوں سے کد کرتا ہے

☆☆﴾۱۳۲﴿☆☆

انبساط نفس الگ ہے روح کا وجداو رہے
دشت وحشت اور ہے اور وادی نجد اور ہے
ہو جو باطن کی ترقی تجھ کو منظورِ نظر
یاد رکھ اکبر تکبر اور ہے مجد اور ہے

☆☆﴾۱۳۳﴿☆☆

ارماں نہ شراب و بزم شاہد کا ہے
ساماں نہ محافل و مساجد کا ہے
اکبر کو ہے اُنس کنج تنہائی سے
دھیان اس کو فقط خدائے واحد کا ہے

☆☆﴿۱۳۴﴾☆☆

کچھ شک نہیں کہ خلق سے ملنا ضرور ہے
جو اس سے اختلاف کرے حق سے دور ہے
لیکن خدا کے واسطے خلق خدا سے مل
سمجھے گا اس کو وہ کہ جو اہلِ شعور ہے

☆☆﴿۱۳۵﴾☆☆

انسان جو عمر ختم کر چکتا ہے
خوش ہو چکتا ہے آہ بھر چکتا ہے
فانی دنیا کا دیکھ لیتا ہے رنگ
زندہ جو رہا بھی وہ تو مر چکتا ہے

☆☆﴿۱۳۶﴾☆☆

سنئے حکمت جو مری گفتار میں ہے
اک حدِ ادب ہر ایک سرکار میں ہے
پروانہ نے شمع سے لپٹنا چاہا
پہلے تھا نور میں اور اب نار میں ہے

☆☆﴿۱۳۷﴾☆☆

شیطان سے دل کو ربط ہو جاتا ہے
دشوار انسان کو ضبط ہو جاتا ہے
حد سے جو سوا ہو حرص یا خود بینی
اکثر ہے یہی کہ خبط ہو جاتا ہے

☆☆﴿۱۳۸﴾☆☆

جس کو خدا سے شرم ہے وہ ہے بزرگ دیں
دنیا کی جس کو شرم ہے مرد شریف ہے
جس کو کسی کی شرم نہیں اس کو کیا کہوں
فطرت میں وہ رذیل ہے دل کا کثیف ہے

☆☆﴿۱۳۹﴾☆☆

اللہ کا حق اگر تلف ہوتا ہے
اس کے لیے کون سر بکف ہوتا ہے
دنیا طلبی میں ہے یہ ہنگامہ دشوار
حاصل پھر اس سے کیا شرف ہوتا ہے

☆☆﴿۱۴۰﴾☆☆

خلقت جو کہیں ذلیل ہو جاتی ہے
بے غیرت و بے دلیل ہو جاتی ہے
گو جسم میں ظاہرا توانائی ہو
اخلاق میں وہ علیل ہو جاتی ہے

☆☆﴿۱۴۱﴾☆☆

دنیا کو بہت ذلیل پایا میں نے
بے غیرت و بے دلیل پایا میں نے
اخلاقی پہلوؤں سے جانچا اکبر
شدت سے اسے علیل پایا میں نے

☆☆﴿۱۴۲﴾☆☆

افسوس سفید ہوگئے بال ترے
لیکن ہیں سیاہ اب بھی اعمال ترے
تو زلفِ بتاں بنا ہوا ہے اب تک
دنیا پہ ہنوز پڑتے ہیں جال ترے

☆☆﴿۱۴۳﴾☆☆

ہیں وعدہ‌ہائے خالق دو عالم سچے
قرآن سچا رسُولِ اکرم ﷺ سچے
اے منکر دین قیامت آنی ہے ضرور
کہہ دیں گے وہاں کہ دیکھ لے ہم سچے

☆☆﴿۱۴۴﴾☆☆

جب واقعات اصلی پیش نظر نہ آئے
شاعر نے کام رکھا تحسین و آفریں سے
الفاظ نے سنور کر اپنے قدم جمائے
نیچر نے کی گذارش رخصت ہوں میں یہیں سے

☆☆﴿۱۴۵﴾☆☆

ایسے بھی ہیں خلق جن کو فرعون کہے
ایسے بھی جنہیں محمد و عون کہے
میں نام بنام تم سے کہتا اکبر
نازک ہے مگر معاملہ کون کہے

☆☆﴿۱۴۶﴾☆☆

ہر چند کہ کوٹ بھی ہے پتلون بھی ہے
بنگلہ بھی ہے پاٹ بھی ہے صابون بھی ہے
لیکن یہ میں تجھ سے پوچھتا ہوں ہندی
یورپ کا تری رگوں میں کچھ خون بھی ہے

☆☆﴿۱۴۷﴾☆☆

دولت بھی ہے فلسفہ بھی ہے جاہ بھی ہے
لطف حسن بتاں دلخواہ بھی ہے
سب سے قطع نظر ہے مشکل لیکن
اتنا سمجھے رہو کہ اللہ بھی ہے

☆☆﴿۱۴۸﴾☆☆

مذہب کی کہوں تو دل لگی میں اُڑ جائے
مطلب کی کہوں تو پالسی میں اُڑ جائے
باقی سر قوم میں ابھی ہے کچھ ہوش
غالب ہے کہ یہ بھی اس صدی میں اُڑ جائے

☆☆﴿۱۴۹﴾☆☆

اعلیٰ مقصود چاہیے پیشِ نظر
کوشش تری گو ہو لطف ذاتی کے لیے
فرہاد پہاڑ پر عمل کرتا تھا
شیریں کے لیے کہ ناشپاتی کے لیے

☆☆﴿۱۵۰﴾☆☆

مذہب قانون و قوم کا بانی ہے
خالص طاعت عروج روحانی ہے
توہین اک دوسرے کی کرتے ہیں جو لوگ
یہ جہل ہے یا ہوائے نفسانی ہے

☆☆﴿۱۵۱﴾☆☆

ہمدرد ہوں سب یہ لطف آبادی ہے
ہمسایہ بھی ہو شریک تب شادی ہے
تسکین ہے جب کہ ہو خدا پر تکیہ
قانون بنا سکیں تب آزادی ہے

☆☆﴿۱۵۲﴾☆☆

آگاہ ہوں معنیٔ خوش اقبالی سے
واقف ہوں بنائے رتبہ عالی سے
شرطیں عزت کی اور ہیں اے اکبر
چلتا نہیں کام صرف نقالی سے

☆☆﴿۱۵۳﴾☆☆

ایمان و حواس و حق پرستی کیا ہے
یہ غفلت و کفر و جوش مستی کیا ہے
لاریب یہ سب ہے ایک ہستی کا ظہور
یہ مجھ سے نہ پوچھ پھر وہ ہستی کیا ہے

☆☆﴿۱۵۴﴾☆☆

جینا تھا جس قدر ہمیں دنیا میں جی لئے
ساغر کئی طرح کے ملے اور پی لئے
غم بھی رہا خوشی بھی تحیر بھی فکر بھی
جاتے ہیں اب کہ آئے تھے ہم بس اسی لیے

☆☆﴿۱۵۵﴾☆☆

طاقت وہ ہے بااثر جو سلطانی ہے
اس جاہے چمک جہاں راز افشانی ہے
تعلیم وہ خواب ہے جو سکھلائے ہنر
اچھی ہے وہ تربیت جو روحانی ہے

☆☆﴿۱۵۶﴾☆☆

انسان چاہے جو بات اچھی چاہے
بدیوں سے محترز ہو نیکی چاہے
شیطان سے وہ فلاسفی ہے منسوب
جس کا مطلب ہے کر وہ جو جی چاہے

☆☆﴿۱۵۷﴾☆☆

پاکیزگی نفس کی دشمن مے ہے
انسان کو خراب کرنے والی شئے ہے
شیطان کی ہے پرائیوٹ سکرٹری
مسلم اور اس کو منہ لگائے ہے ہے

☆☆﴿۱۵۸﴾☆☆

یہ دربار ہے خالقِ دو جہاں کا
اَدب اپنا سکہ بٹھائے ہوئے ہے
نہ سمجھو کہ حاضر نہیں حق تعالیٰ
یہ عالم خود آنکھیں جھکائے ہوئے ہے

☆☆﴿۱۵۹﴾☆☆

اوہام کے ہاتھ سے نہ ایذا سہیے
بندوں کے نہیں خدا کے ہو کر رہیے
ہے پیشِ نگاہ جلوہ ارض و سما
سبحان اللہ جوشِ دل سے کہیے

☆☆﴿۱۶۰﴾☆☆

چیخے چلائے کودے اُچھلے ٹہلے
ہر پھر کے وہیں رہے جہاں تھے پہلے
حالت تو وہی ہے بلکہ اس سے بدتر
یوں منہ سے جو جس کے دل میں آئے کہہ لے

☆☆﴿۱۶۱﴾☆☆

غلط فہمی بہت ہے عالمِ الفاظ میں اکبر
بڑی مایوسیوں کے ساتھ اکثر کام چلتا ہے
یہ روشن ہے کہ پروانہ ہے اس کا عاشقِ صادق
مگر کہتی ہے خلقت شمع سے پروانہ جلتا ہے

☆☆﴿۱۶۲﴾☆☆

تعلیم بھی پائی سب کے پیارے بھی ہوئے
دنیا کو بھی خوش کیا ہمارے بھی ہوئے
لیکن جو یہ نور طبع پایا نہ گیا
پھر کیا تم عرش کے جو تارے بھی ہوئے

☆☆☆

The End-----اختتام--------